نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

دسمبر ۱۹۹۳ء

اس شمارے کے ساتھ
کرکٹ گیم مفت حاصل کریں

قائداعظم نے ایک بے سہارا نوجوان کو سہارا دیا
ایک عجیب و غریب سچا اور متاثر کن واقعہ

نسان زمین کو تباہ نہیں کر سکتا
ریکی خلاباز خاتون کا باتصویر انٹرویو

ٹر کے وائرس نے اُسے قتل
نے سے بچالیا۔
دلچسپ سنسنی خیز کہانی

ہشت پا۔ ایک شرمیلا عفریت

ایسی انوکھی تصویریں
جو آپ نے کبھی دیکھی نہ ہوں گی

بچاؤ
اشتیاق احمد کا
سلسلہ وار ناول

مزاحیہ نظمیں، کھلکھلاتے لطیفے
انعامی مقابلے

Hilal
Hajmola
CANDIES
Hilal
Hajmola
CANDY
albela
aam
Hilal
Hajmola
CANDY
chulbuli
imli
Hilal
Hajmola
CANDY
ھلال کی ہاجمولا
ادرک ، املی ، آم
Hilal Confectionery (Pvt) Ltd.

آنکھ مچولی کی جانب سے نئے سال کا شریر تحفہ

دلچسپ شرارتی کارٹون ० شرارتی تصویریں ० شرارتی مقابلے ० مزیدار مضامین اور کہانیوں سے مزیّن

شرارت نمبر

فروری ۱۹۹۴ء میں
منظرِ عام پر آرہا ہے

- بڑے لوگوں کے بچپن کی شرارتیں
- بچّوں کی بڑوں سے شرارتیں
- اور ہاں جانوروں کی بھی حیران کُن شرارتیں

اس کے علاوہ **ایک عدد شرارتی تحفہ**

آپ نے بھی یقیناً کوئی نہ کوئی شرارت کی ہوگی۔
اپنی شرارت ہمیں لکھ بھیجئے —— ہم اسے شائع کریں گے۔
—— بشرطیکہ شرارت میں "شر" نہ ہو؛
—— یہ شرارت کسی کو تکلیف پہنچانے والی نہ ہو؛

اِس شمارے میں کچھ شرارتیں آنکھ مچولی کی جانب سے بھی —— ہوشیار رہیئے گا ——

نت نئے نمبر پیش کرنے میں آنکھ مچولی کا کوئی حریف نہیں

ادارہ ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ دیتا ہے

اپنا شمارہ آج ہی بک کرا لیجئے

مناسب دام - بہت آرام

آنکھ مچولی

گھر بیٹھے پائیے

86 روپے بچائیے

آنکھ مچولی کے ۱۰ عام اور ۲ خاص شماروں کی سالانہ قیمت مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ ۲۳۶ روپے بنتی ہے

مگر

ممبر شپ حاصل کرنے پر ۸۶ روپے کی خصوصی بچت

آپ ہمیں ۱۵۰ روپے کا منی آرڈر روانہ کر دیجئے ہم آپ کو سال بھر آنکھ مچولی باقاعدگی سے بھجواتے رہیں گے۔

- منی آرڈر فارم پر اپنا مفصل نام اور پتہ ضرور لکھئے۔
- مشرق وسطیٰ کیلئے ۴۰۰ روپے
- امریکہ اور یورپ کیلئے ۵۰۰ روپے

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کریں

ماہ نامہ آنکھ مچولی ۔ 1 ۔ پی ۔ آئی ۔ بی کالونی، کراچی ۔ ۵

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۶

جمادی الثانی / رجب ۱۴۱۴ھ دسمبر ۱۹۹۳ء

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رُکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

مدیرِ اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

منتظمِ اعلیٰ
تجمل حسین چشتی

منیجنگ ایڈیٹر
ایم اے فاروقی

مدیرِ اعزازی
طاہر مسعود

مجلسِ ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

نمائندہ امریکہ
عبدالرشید خان

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

○ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا ہے۔

خط و کتابت کا پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵ (۷۴۸۰۰) فون: ۴۱۱۵۸۷

ناشر: ظفر محمود شیخ ٥ طابع: زاہد علی ٥ مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

قیمت ۱۰ روپے

۷ درہم ۷ ریال

اِن پر اعتماد کیجیے

اِن سے تعاون کیجیے

محمد حسین برادرز	کراچی	۷۷۳۴۱۲۹
سلطان نیوز ایجنسی	لاھور	۵۸۲۴۹
ملک تاج محمد	راولپنڈی	۵۵۴۳۲
مہران نیوز ایجنسی	حیدرآباد	۲۰۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی	پشاور	۶۲۵۱۵
اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان	۴۳۳۱۰
فیاض بک ڈپو	فیصل آباد	۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز	کوئٹہ	۷۵۰۰۲
اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ	
سلمان برادرز	نوابشاہ	۲۴۱۴
سعید بک سٹال	گجرات	۳۶۳۹
پاکستان اسٹینڈرڈز بکسٹال	سرگودھا	۶۲۹۵۱
طاہر نیوز ایجنسی	جہلم	
کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور	۲۹۵۷
چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یارخان	۲۶۲۶
مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر	
رحمت بکسٹال	اوکاڑہ	
رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ	
ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ	۸۷۹۸۹
سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال	

وطنِ عزیز کے قریے قریے

اور نگر نگر

ہر ماہ باقاعدگی سے

آنکھ مچولی

پہنچانے کے لیے ہم نے

اِن اداروں کو
اپنا باقاعدہ ایجنٹ
مقرر کیا ھے

آنکھ مچولی خریدنے کے لیے

اپنی تجاویز اور مشوروں کے لیے

ان ناموں پر اعتماد کیجیے

خط و کتابت کے لیے — ماہنامہ آنکھ مچولی — 1-پی۔ آئی۔ بی۔ کالونی کراچی ۷۴۸۰۰

حُسنِ ترتیب

تاریخ کے دریچے سے ——— نورین فاطمہ چوہان ۔ ۸
ماہِ رواں کی پہلی بات ——— اداریہ ——— ۹
حمد (نظم) ——— ریاض حسین قمر ——— ۱۰
حضرت عیسیٰ ابنِ مریم ——— آغا در محمد ——— ۱۱
سبق ——— خان اکبر علی ——— ۱۵
تمغہ ——— محمد عمر احمد خان ——— ۱۷
قائداعظم کی نصیحت ——— عبدالستار خان طاہر ——— ۲۰
ہوا کو کس نے دیکھا ہے (نظم) ——— حفیظ الرحمٰن احسن ——— ۲۵
محبّت کی نفرت ——— سیّد نظر زیدی ——— ۲۶
پرندے کتنا تیز اُڑ سکتے ہیں؟ ——— نگہت آرا چوہان ——— ۳۲
لو میں آگیا ہوں ——— عبدالرشید فاروقی ——— ۳۴
جو یوں ہوتا تو کیا ہوتا ——— ادارہ ——— ۳۷
انہیں کیا ملا ——— قرۃ العین ——— ۳۸
دھنک بجھ جل رہی ہے موم بتّی ——— مرزا محمد شعیب ——— ۴۳
قصہ ہماری نالائقی کا ——— عاصم کامل ——— ۴۵
شرمیلا عفریت، ہشت پا ——— سیّد عرفان علی یوسف ——— ۵۰
انسان زمین کو تباہ نہیں کرسکتا ——— اقبال جہاں فاروقی ——— ۵۶
گلگلے ——— لطائف ——— ۵۹
جائیے آپ سے ہم نہیں بولتے (نظم) ——— عبدالقادر ——— ۶۳
مشال بابا کا مسئلہ ——— عابد سلطان ——— ۶۴
درِ حیرت ——— ایاز محمود ——— ۷۰
پھر باتیں نہ ایسی سنیئے گا ——— نائلہ بختیار ——— ۷۵
عکس ادھورے کھینچئے پورے ——— ادارہ ——— ۷۷
جاڑوں کا چاند (نظم) ——— شبیر بیگ ناز ——— ۸۰
امتحان ہے آپ کی ذہانت کا ——— ادارہ ——— ۸۱
مزید محنت کی ضرورت ہے ——— ادارہ ——— ۸۴
آنکھ مچولی البم ——— ادارہ ——— ۸۶
بخدمت جناب ——— خطوں کے جواب ——— ۸۷
ورزش (نظم) ——— زاہد الحسن زاہد ——— ۹۱
دادا ابا پرانے نہیں ہوئے ——— شازیہ فرحین ——— ۹۲
جیتنے والا زندگی ہار بیٹھا ——— صبا احمد ——— ۹۷
وائرس کا پیغام ——— عادل منہاج ——— ۱۰۰
مچھلی کھائیے، بیماریاں بھگائیے ——— محمد یوسف انجم ——— ۱۰۴
علم اور مال (نظم) ——— ضیغم حیدی ——— ۱۰۷
بچاؤ ——— اشتیاق احمد ——— ۱۰۸
قلم قبیلے ——— ننھی تحریریں ——— ۱۱۵

تاریخ کے دریچے سے

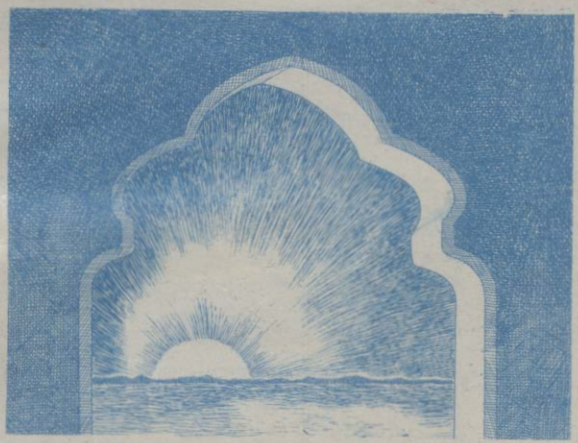

ایک عیسائی بادشاہ جبلہ بن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا۔ ایامِ حج میں وہ حج کے لئے مکہ شریف آیا۔ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ اس کی چادر پر ایک اعرابی کا پاؤں آ گیا۔ جبلہ نے اعرابی کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ اعرابی نے خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ کے حضور فریاد کی۔ حضرت عمرؓ نے جبلہ کو طلب کیا۔ جبلہ نے طمانچہ مارنے کا اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ سنا دیا کہ اعرابی جبلہ کے منہ پر اسی طرح طمانچہ مارے گا جس طرح جبلہ نے مارا تھا۔ یہ فیصلہ سن کر جبلہ حیران ہوا اور کہا کہ میں بادشاہ ہوں اور یہ ایک عام دیہاتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسلام کی نگاہ میں ایک بادشاہ اور عام رعایا میں کوئی فرق نہیں۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ جبلہ نے کہا "مجھے کل تک کی مہلت دی جائے۔" اسے مہلت دے دی گئی۔ رات کو وہ فرار ہو گیا اور قیصرِ روم کے پاس پہنچ کر مرتد ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک بادشاہ کا مرتد ہونا گوارا کر لیا۔ مگر ایک عام مسلمان پر ظلم پسند نہ کیا۔ تاریخِ عالم میں احترامِ قانون کی یہ ایک زندہ اور روشن مثال ہے۔

مرسلہ:- نورین فاطمہ چوہان، بہاولپور

ماہِ رواں کی پہلی بات

جمال صاحب کئی روز سے سخت پریشان تھے۔ اکلوتے بیٹے نے موٹر سائیکل کی فرمائش کر دی تھی۔ کئی مہینوں تک وہ ٹال مٹول کرتے رہے لیکن اب بیٹے نے ماں کو دھمکی دے دی تھی کہ اگر موٹر سائیکل نہ آئی تو وہ بھوک ہڑتال کر دے گا۔ جمال صاحب کوئی اونچی حیثیت کے آدمی نہ تھے۔ کہیں سے قرض وغیرہ لے کر موٹر سائیکل دلا بھی سکتے تھے لیکن ڈرتے تھے کہ بیٹا کہیں حادثہ نہ کر بیٹھے۔ شہر میں آئے دن حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو ان کے گھر کی رونق ہمیشہ کے لئے چھن جائے گی۔ اکلوتا بیٹا باپ کے ان جذبات سے بے خبر تھا۔ بچپن سے ہر طرح کی فرمائشیں پوری ہونے کی وجہ سے اس کی عادتیں خراب ہو چکی تھیں۔ ایسے تمام گھرانوں میں جہاں بچوں کے بہت لاڈ اٹھائے جاتے ہیں، آخر کار وہاں ایسی ہی صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ بچوں کو صرف اپنی فرمائش سے غرض ہوتی ہے اور انہیں والدین کے جذبات اور ان کے مسائل و مجبوریوں کا ذرہ بھر بھی احساس نہیں ہوتا۔ انہیں کہیں اپنی دلچسپی کی کوئی چیز نظر آتی ہے تو فوراً والدین سے اس کی فرمائش کر بیٹھتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کے والدین اس چیز کو خریدنے کی حیثیت رکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ والدین کو اپنے بچوں کی ہر جائز و ناجائز فرمائشوں کو پورا کرنا چاہئے اور جو والدین ایسا نہ کریں اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے بچوں سے پیار نہیں ہے۔ سوچنے کا یہ انداز بڑا غلط ہے۔

ماں باپ کو اپنے بچے ہمیشہ بہت عزیز ہوتے ہیں۔ ان کی خواہش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ وہ دنیا بھر کی خوشیاں اپنے بچوں کی جھولی میں ڈال دیں۔ وہ خود تکلیف اٹھا کر اپنے بچوں کو آرام و سکون میں رکھتے ہیں۔ لہٰذا بچوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے مسائل اور ان کی مجبوریوں کا احساس کریں۔ انہیں اپنے والدین پر اتنا ہی بوجھ ڈالنا چاہئے جتنا وہ اٹھا سکیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر خواہش اور ہر فرمائش کا پورا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ اگر والدین کبھی کسی فرمائش کو پورا نہ کر سکیں تو اس پر ضد اور اصرار کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ بچوں کی کوئی خواہش پوری نہ کر کے والدین کو کبھی خوشی نہیں ہوتی۔ لیکن وہ مجبور ہوتے ہیں۔ یا پھر وہ اسے مصلحت کے خلاف جانتے ہیں۔ بچوں کے بڑے بھلے کی پروا جتنی والدین کو ہو سکتی ہے کسی اور کو نہیں ہو سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ بچہ جس چیز کو اپنے لئے فائدہ مند سمجھ رہا ہو وہ اس کے لئے فائدہ مند نہ ہو۔ اور یہ بات اس کے والدین اپنے تجربے کی وجہ سے جانتے اور سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بچوں کو اپنے والدین پر اعتماد کرنا چاہئے اور ان کے ایسے فیصلوں کو بھی قبول کرنا چاہئے جو بہ ظاہر انہیں اچھے نہ لگ رہے ہوں۔

والدین ایسی نعمت ہیں جن کا کوئی بدل نہیں۔ ان کی اہمیت جاننا ہو تو ان سے پوچھئے جو والدین کے سائے سے محروم ہیں۔ ایسے بچے دنیا کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور محبت کے دو بول سننے کو ان کے کان ترس جاتے ہیں۔ لہٰذا جن بچوں کو یہ نعمت میسّر ہے انہیں چاہئے کہ وہ اپنے والدین کی قدر کریں، ان کی عزت کریں، ان کے ساتھ احترام سے پیش آئیں، ان کا حکم مانیں اور ان کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ خدانخواستہ کل کلاں کو یہ نہ ہوں گے تو کوئی آپ کی ناز برداری کرنے والا اور بُرے وقتوں میں آپ کے سر پہ دستِ شفقت رکھنے والا نہ ہو گا۔

آپ کا دوست

ظفر محمود شیخ

حمدِ باری تعالیٰ

ریاض حسین قمر

تری ذات منبع روشنی، تری شان جَلَّ جَلالَہٗ
کہا کُن تو سارے جہاں بنے، یہ فلک بنا، یہ زمیں بنی
یہ جو گردشِ شب و روز ہے، یہ جو رنگِ فصلِ بہار ہے
تری ذات سب سے عظیم ہے، تو رحیم ہے تو کریم ہے
یہ نظامِ کوکب و کہکشاں، تو ہر ایک چیز سے ہے عیاں
تری ذات ہی کے طفیل سے ہیں چمن کی ساری لطافتیں

تو قریب ہے رگِ جاں سے بھی، تری شان جَلَّ جَلالَہٗ
ملی تیری ذات سے روشنی، تری شان جَلَّ جَلالَہٗ
یہ پکارتی ہے کلی کلی، تری شان جَلَّ جَلالَہٗ
کریں انس و جاں تری بندگی تری شان جَلَّ جَلالَہٗ
تجھے ساری خلق ہے مانتی، تری شان جَلَّ جَلالَہٗ
ہے گلوں میں تیری ہی تازگی، تری شان جَلَّ جَلالَہٗ

حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ

آغا دُر محمد

جو ایک بار پھر آسمان سے اتریں گے

مشتعل لوگوں کے ہجوم میں گھری وہ مُقدّس خاتون کسی مضبوط چٹان کی طرح کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے سے پاکیزگی کا نور پھوٹ رہا تھا۔ حالانکہ غصّہ میں بھرے ہوئے لوگ انہیں بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ مگر وہ عصمت و عظمت کی پیکر بالکل خاموشی سے ان سب کی باتوں کو برداشت کر رہی تھیں۔ جب لوگوں کا اشتعال اور سوالات حد سے گزرنے لگے تو خاتون نے اپنے نوزائیدہ بچے کی طرف اشارہ کیا۔ ماں کا اشارہ ملتے ہی وہ بول اُٹھا۔

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا، جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا، جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جابر اور شقی نہیں بنایا۔ سلام مجھ پر جب کہ

میں پیدا ہوا اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں۔"

اپنی معجزانہ پیدائش کے بعد یوں گہوارے میں اللہ کے حکم سے باتیں کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ تھا اور جن الفاظ میں انہوں نے اپنا تعارف کروایا تھا اس سے ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکیزگی بھی ثابت ہو گئی تھی۔ مگر بد بخت یہودی قوم کے وہ لوگ جو اس وقت حضرت مریمؑ سے سوال جواب کر رہے تھے اپنے پرانے مؤقف پر ڈٹے رہے اور اللہ کی یہ روشن نشانی دیکھ لینے کے باوجود بھی نازیبا باتیں کہنے سے باز نہ آئے۔ دراصل ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ایک غیر شادی شدہ عورت کسی بچے کو کیسے جنم دے سکتی ہے حالانکہ اگر وہ ذرا بھی عقل سے کام لیتے اور اللہ پر ان کا ایمان کچھ بھی مضبوط ہوتا تو یہ بات آسانی سے ان کی سمجھ میں آ جاتی۔ بھلا وہ خدا جو حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر سکتا ہے، حضرت عیسیٰؑ کو باپ کے بغیر کیوں پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل کی قوم نے اپنی بد بختی سے ایسا نہ سوچا اور اپنی جہالت اور ضد پر اڑے رہے اور یہ ان کی ہٹ دھرمی اور اندھے پن کا کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا انہوں نے ہمیشہ ہی اللہ کے نبیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا حتیٰ کہ بعض انبیا کو تو قتل بھی کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس قوم کی طرف بھیجے جانے والے آخری نبی تھے۔ یہودی قوم ہر نبی سے معجزات کا مطالبہ کرتی تھی اور معجزات دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتی تھی بلکہ عجیب و غریب تاویلیں اور حجتیں کرتی تھی۔ یوں اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزوں کے ساتھ اس قوم میں بھیج کر اپنی حجت تمام کر دی۔

حضرت عیسیٰؑ کی غیر معمولی پیدائش ان کی غیر معمولی شخصیت اور عظیم منصب کا پتا دیتی ہے۔ ان کی والدہ حضرت مریم، حضرت عمرانؑ کی بیٹی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ مریمؑ کی والدہ بھی نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ حضرت زکریاؑ نے مریمؑ کی پرورش کی۔ جب یہ سنِ تمیز کو پہنچیں تو حضرت زکریاؑ نے ان کے لئے بیت المقدس میں ایک حجرہ مخصوص کر دیا، جہاں وہ عبادت میں مشغول رہتیں۔ ایک دن جب حضرت مریمؑ محراب میں اللہ کی عبادت میں مصروف تھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک جوان آدمی کی شکل میں ان کے سامنے آئے۔ وہ گھبرا گئیں۔ جبرائیلؑ نے کہا۔

"ڈرو مت! میں فرشتہ ہوں اور تمہیں بشارت دینے آیا ہوں کہ خدا تمہیں ایک بیٹا عنایت کرے گا۔ وہ دنیا اور آخرت میں محترم ہو گا اور گہوارے میں باتیں کرے گا۔"

مریمؑ نے کہا۔ "یہ کیوں کر ممکن ہے جب کہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک نہیں؟"

جبرائیلؑ بولے۔ "یہ بات خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں وہ ہر طرح سے پیدا کر سکتا ہے۔

کیوں کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی وہ چیز عالمِ وجود میں آ جاتی ہے۔"

حضرت مریمؑ کو خوف اور پریشانی نے گھیر لیا وہ اس انوکھی بشارت کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ ایسا کیسے ممکن ہے۔ مگر انہیں اللہ پر بھروسہ تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا۔ لیکن پھر وہ ضدی اور نادان یہودیوں کے شر سے ڈرتی تھیں۔ وہ سوچتیں کہ ان کے طعنوں کا کیا جواب دیں گی اور اپنی بے گناہی کا کیا ثبوت پیش کریں گی جس سے مخالفین کی زبانیں بند ہو جائیں۔ لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ پھر جب بچے نے جنم لیا تو انتہائی رنج و غم کے عالم میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

"اے کاش کہ میں یہ وقت آنے سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور میں بھولے بسرے لوگوں میں سے ہو جاتی۔"

اچانک ہی غمگین اور دکھی مریمؑ نے ایک بڑی خوش کن آواز سنی۔ کوئی انہیں تسلی دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اے مریم غمگین مت ہو۔ خدا نے تمہارے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اس کا پانی استعمال کرو نیز کھجور کے اس (خشک) درخت کو ہلاؤ اور اس سے جو کھجوریں گریں وہ کھاؤ اور سکون حاصل کرو۔"

ان ہی دنوں یہودیوں کے بادشاہ ہیرودس کو حضرت عیسیٰؑ کے پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو وہ ڈر گیا کہ کہیں یہ بچہ میرے لئے وبالِ جان نہ بن جائے اور اس نے آپؑ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت مریمؑ نے جونہی خطرہ محسوس کیا وہ حضرت عیسیٰؑ کو لے کر مصر چلی گئیں۔ وہاں ان کی پرورش کرتی رہیں۔ حتیٰ کہ وہ تیس سال کے ہو گئے اور خدا نے ان پر انجیل اتاری۔ (انجیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے خوش خبری) پھر وہ بیت المقدس تشریف لائے اور یہودیوں کو دینِ حق کی طرف بلایا۔ تین سال تک انہیں وعظ و نصیحت کرتے اور انجیل کے احکام سناتے رہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے خدا تعالیٰ کے اذن سے بڑے بڑے معجزے دکھائے جن میں سے مُردوں کو زندہ کرنا، نابیناؤں کو بینا کرنا اور کوڑھیوں کو شفا دینا زیادہ مشہور ہیں۔ یہ معجزے دیکھ کر چند یہودی آپؑ پر ایمان لائے لیکن زیادہ تر آپؑ کے دشمن بن گئے انہوں نے آپؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

اصل میں یہودیوں کی مخالفت کا واحد سبب یہ خوف تھا کہ اگر حضرت مسیحؑ کے دین کا بول بالا ہو جاتا ہے تو پھر ان کی پیشوائی اور سرداری کا کیا بنے گا؟ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت نے ان کی قیادت کو سخت خطرے میں ڈال دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی سرداری کا دور ختم ہونے والا ہے اور اب وہ کسی اور کے ہاتھ میں جانے والی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ٹوٹ کر مخالفت کی یہودیوں نے ایک اور طریقے سے بھی دینِ حق کا

راستہ روکا انہوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کی دعوت کو جادو ٹونے کا نام دیا۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص موسیٰ ؑ کے دین سے پھر گیا ہے' اس نے ان کی شریعت کو ترک کر دیا ہے اور سبت کے دن کا احترام نہیں کرتا۔

پھر انہوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں باہم مشورہ کیا اور بالآخر اس جلیل القدر پیغمبر کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے حصول کے لئے حضرت عیسیٰ ؑ کی تلاش شروع کر دی' کیوں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کا کوئی ایک ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ دعوتِ حق کے لئے مختلف جگہوں پر سفر کرتے رہتے تھے۔ یہودیوں نے اپنے جاسوس پھیلا دیئے اسی اثنا میں انہیں شمعون الصفد نامی ایک حواری مل گئے۔ انہوں نے ان سے حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں پوچھا۔ لیکن وہ کوئی معلومات نہ دے سکا۔ پھر انہیں ایک اور حواری یہودا نظر آیا جو دنیا پرست لالچی اور دھوکا باز تھا۔جب یہودیوں نے اس سے حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں پوچھا تو اس نے اپنے محسن اور اُستاد کے دشمنوں کو ان کا ٹھکانہ بتا دیا۔

حضرت عیسیٰ ؑ ایک غار میں اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول تھے کہ یہودیوں نے انہیں پکڑ لیا اور سولی پر لٹکانے کے لئے لے گئے۔ یہودیوں نے ان پر جو الزام عائد کیا وہ ملک میں انتشار پھیلانے کا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

"خاموشی"

○ ۔ خاموشی عالم کی زینت اور جاہل کی پردہ پوشی ہے۔

(حضرت علیؓ)

○ ۔ بولنا اگر چاندی ہے تو خاموشی سونا ہے۔

(امام زین العابدینؓ)

○ ۔ عقل مند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

(حضرت حسن بصریؒ)

○ ۔ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے۔

(حضرت امام جعفرؒ)

مرسلہ..... سعادت حسین کھوکھر، خیرپور میرس

حضرت عیسیٰ ؑ تو خدا کی ایک بہت بڑی نشانی تھے۔ ان کی ولادت غیر معمولی طور پر ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ لازم تھا کہ ان کی زندگی بھی عام لوگوں سے مختلف ہوتی اسی لئے انہوں نے تمام عمر نہ شادی کی، نہ گھر بنایا۔ چنانچہ اس خطرناک موقع پر جب دشمنوں نے انہیں گھیر رکھا تھا اور ان کا خون بہانے کے درپے تھے۔ حق تعالیٰ کا دستِ قدرت ان کو رہائی دلانے کے لئے آگے بڑھا اور انہیں سولی چڑھنے سے پہلے ہی آسمان کی طرف اُٹھا لیا جہاں وہ زندہ و سلامت موجود ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی بشارت کے مطابق امام مہدیؑ کے ظہور کے زمانے میں حضرت عیسیٰ ؑ بھی آسمان سے اُتریں گے اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔

سبق

خان اکبر علی

بنجمن فرینکلن کی دکان میں ایک گاہک داخل ہوا اور کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ سیلز مین اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ گاہک کافی دیر تک اِدھر اُدھر گھوم کر وقت ضائع کرنے کے بعد ایک کتاب کھول کر پڑھنے لگا پھر جب وہ کافی کچھ پڑھ چکا تو کتاب کی ورق گردانی بند کر دی، اور سیلز مین کی طرف کتاب بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"جناب اس کتاب کی قیمت کیا ہے؟" سیلز مین نے جواب دیا۔ "ایک ڈالر جناب۔"

بے فکرے گاہک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک ڈالر تو بہت ہے کچھ کم کرو؟" سیلز مین نے اُکتا کر کہا۔ "جناب! یہ قیمت میں نے نہیں رکھی، ناشر نے رکھی ہے؟" گاہک نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "مسٹر فرینکلن کہاں ہیں؟"

سیلز مین نے اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہاں دفتر میں موجود ہیں۔"

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اس وقت وہ بے حد مصروف ہیں۔" آخر گاہک کے اصرار پر سیلز مین نے کہا۔ "اچھا! آپ یہاں تشریف رکھیں۔ میں انہیں مطلع کرتا ہوں۔ اگر انہوں نے ملاقات پر آمادگی ظاہر کی تو میں آپ کو ملوا دوں گا۔"

سیلز مین اندر چلا گیا، تھوڑی دیر بعد جب واپس آیا تو مسٹر فرینکلن بھی اس کے ساتھ تھے۔ سیلز

مین نے گاہک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جناب والا! یہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

فرینکلن نے سر سے پاؤں تک ان صاحب کو دیکھا اور کہا۔

"جناب معاف کیجئے گا۔ میں آپ کو پہچان نہیں سکا!"

گاہک نے نہایت تپاک سے ہاتھ ملایا اور کہا، "بے شک آپ مجھے کس طرح پہچان سکتے ہیں جب کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے پہلی بار مل رہے ہیں۔"

فرینکلن نے پوچھا "مجھ سے کوئی کام؟"

گاہک نے اپنی پسندیدہ کتاب فرینکلن کے آگے رکھ دی اور کہا۔

"جناب والا۔ آپ کا سیلز مین اس کتاب کی قیمت ایک ڈالر بتاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ قیمت زیادہ ہے۔ کیا آپ اس کی قیمت میں کچھ کمی کر سکتے ہیں؟"

فرینکلن نے کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر جواب دیا۔

اب اس کتاب کی قیمت سوا ڈالر ہو گئی ہے۔ سوا ڈالر ادا کر کے کتاب لے جایئے۔"

گاہک ششدر رہ گیا، بولا۔

"واہ جناب! یہ تو ایک ہی رہی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ کا سیلز مین اس کتاب کی قیمت ایک ڈالر بتا رہا تھا۔ اب آپ سوا ڈالر فرما رہے ہیں! آخر یہ معاملہ کیا ہے؟"

فرینکلن نے جواب دیا۔ "اگر آپ مجھے طلب نہ فرماتے اور مجھے اپنا ضروری کام چھوڑ کر یہاں نہ آنا پڑتا تو میرا سیلز مین اس کتاب کو ایک ڈالر میں ہی فروخت کر دیتا۔

گاہک ہنسنے لگا "خوب! خوب!! یہ خوب رہی۔ اچھا تو اب آپ بتایئے کہ اس کتاب کی آپ مجھ سے کم سے کم کیا قیمت لینا پسند فرمائیں گے۔"

فرینکلن نے نہایت سنجیدگی اور متانت سے جواب دیا۔

"صرف ڈیڑھ ڈالر!" گاہک مارے حیرانی کے اچھل پڑا، بولا۔

"یہ کیا؟ یہ کیا؟ یعنی ایک سے سوا اور سوا سے ڈیڑھ ڈالر۔ یعنی یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ آخر اس کتاب کی خاصیت کیا ہے جو آپ اس کے دام بڑھاتے جا رہے ہیں؟"

فرینکلن نے جواب دیا۔ میں اس کتاب میں اپنے وقت کی قیمت بھی شامل کرتا جا رہا ہوں۔ ذرا دیر بعد اس کتاب کی قیمت دو ڈالر ہونے والی ہے

گاہک نے فوراً جیب سے ڈیڑھ ڈالر نکال کر فرینکلن کے حوالے کئے اور کتاب لے کر جاتے ہوئے بولا۔

"مسٹر فرینکلن! آپ نے اس وقت مجھے جو سبق دیا ہے اسے میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ آپ کا بہت شکریہ۔"

تمغہ

محمد عمر احمد خان

یہ تحریر فلسطین کی جدوجہدِ آزادی کے پس منظر میں لکھی گئی ہے جہاں بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے حقوق بھی پامال کیے جا رہے ہیں۔

"یہ بچے ہیں یا شیطان کے چیلے؟" اسرائیلی فوجی افسر نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے ماتحت سے کہا۔ کیوں کہ چھ سال سے لے کر سولہ سترہ سال تک کے فلسطینی بچے ان کی فوجی گاڑی پر زبردست قسم کی سنگ باری کر رہے تھے۔ بچے گاڑی سے زیادہ دور بھی نہیں تھے۔ کافی بچے گلیوں میں سے پتھر مار رہے تھے اور کچھ گلیوں سے باہر آکر۔ اس وقت فوجی گاڑی میں تقریباً ایک درجن کے قریب اسرائیلی فوجی سوار تھے جو لوہے کے جال سے ڈھکی ہوئی گاڑی میں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے افسر نے چلا کر ان سے کہا کہ وہ باہر نکلیں اور بچوں پر ربر کی گولیوں سے فائر کریں لیکن فوجیوں نے کہا کہ سر کچھ دیر انتظار کر لیں۔ جیسے ہی سنگ باری کی شدت میں کمی آئے گی وہ باہر نکل کر فائر کریں گے۔ افسر مارے غصے کے خود ہی گاڑی سے باہر نکل آیا اور ابھی وہ بندوق سنبھال کر فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ کئی پتھر اس کی طرف آئے۔ اس نے

گھبرا کر پتھروں سے بچنے کی کوشش کی لیکن ایک بڑا سا پتھر اس کی کمر میں آلگا۔ تکلیف سے افسر کی چیخ نکل گئی۔ بندوق چلانے کے لئے اس کے پاس بالکل وقت نہ تھا اس نے واپس گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بندوق سیٹ پر پھینکی اور اپنی کمر سہلاتے ہوئے اپنے ماتحت سے کہا "واقعی! یہ بچے شیطان کے چیلے ہیں!!"

"سر! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ بچے ..... اچانک سینکڑوں کی تعداد میں کسی بھی کونے سے نکل آتے ہیں اور ہماری گشتی گاڑیوں پر پتھر بازی کر کے بھاگ لیتے ہیں۔" ماتحت نے کہا اور پھر جیسے ہی بچوں کی پتھر بازی میں کمی آئی، اسرائیلی سپاہیوں نے گاڑی سے اتر کر ربر کی گولیاں بھاگتے ہوئے بچوں پر برسانی شروع کر دیں۔

جو بچے زخمی ہو کر نیچے گر گئے۔ اسرائیلی سپاہی انہیں بالوں میں سے پکڑ کر بڑی بے دردی سے ڈنڈے مارتے ہوئے اٹھا کر لائے اور انہیں جیل لے جانے کے لئے گاڑی میں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس دیا۔ بچے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اکبر اور آزادی کے نعرے لگا رہے تھے۔ اسرائیلی افسر نے ماتحت سے جھنجھلا کر پوچھا:

"یہ تو صرف پندرہ ہیں۔ وہاں تو بہت سارے تھے!!"

"اور باقی بھاگ گئے۔" ماتحت نے مؤدب لہجے میں کہا۔

"حیرت ہے بچے تمہارے قابو میں نہیں آئے۔" افسر ابھی تک غصے میں تھا۔ وقفے وقفے سے اپنی کمر بھی سہلا رہا تھا۔

"ایک جوشیلے فلسطینی بچے نے گاڑی کے اندر سے چیخ کر کہا:

"ایک دن تمہیں ہماری سرزمین چھوڑ کر بھاگنا ہوگا۔ ہم اپنی آزادی کا حق لے کر رہیں گے۔" اسرائیلی افسر نے گھوم کر اس بچے کی طرف دیکھا پھر اس نے ایک سپاہی سے کہا "اسے نیچے اتارو۔" سپاہی نے بالوں سے پکڑ کر بچے کو نیچے اتارا اور افسر کے سامنے پیش کر دیا۔ افسر نے بچے کے گال پر زور سے تھپڑ مارا۔ بچہ تھپڑ کی شدت سے نیچے گر گیا۔ افسر نے بچے کو بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے بال اپنی مٹھی میں پکڑ کر بولا:

"تمہیں آزادی چاہئے؟" "ہاں! ہمیں آزادی چاہئے۔ یہ ہمارا حق ہے۔ آزادی ملے گی تو ہم پڑھ لکھ سکیں گے، کھیل کود سکیں گے۔" کمزور سے بچے نے افسر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے کہا۔ "پھر تو یہ لو آزادی!!" افسر نے ہولسٹر سے پستول نکال کر بچے کے سینے پر رکھا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ بچہ ایک جھٹکے سے اچھلا اور نیچے زمین پر گر گیا۔ سرخ لہو اس کے سینے سے بہہ نکلا تھا۔ بہادر بچے نے ..... حق مانگ کر آزادی کا تمغہ اپنے سینے پر سجا لیا تھا۔

آنکھ مچولی کرکٹ گیم

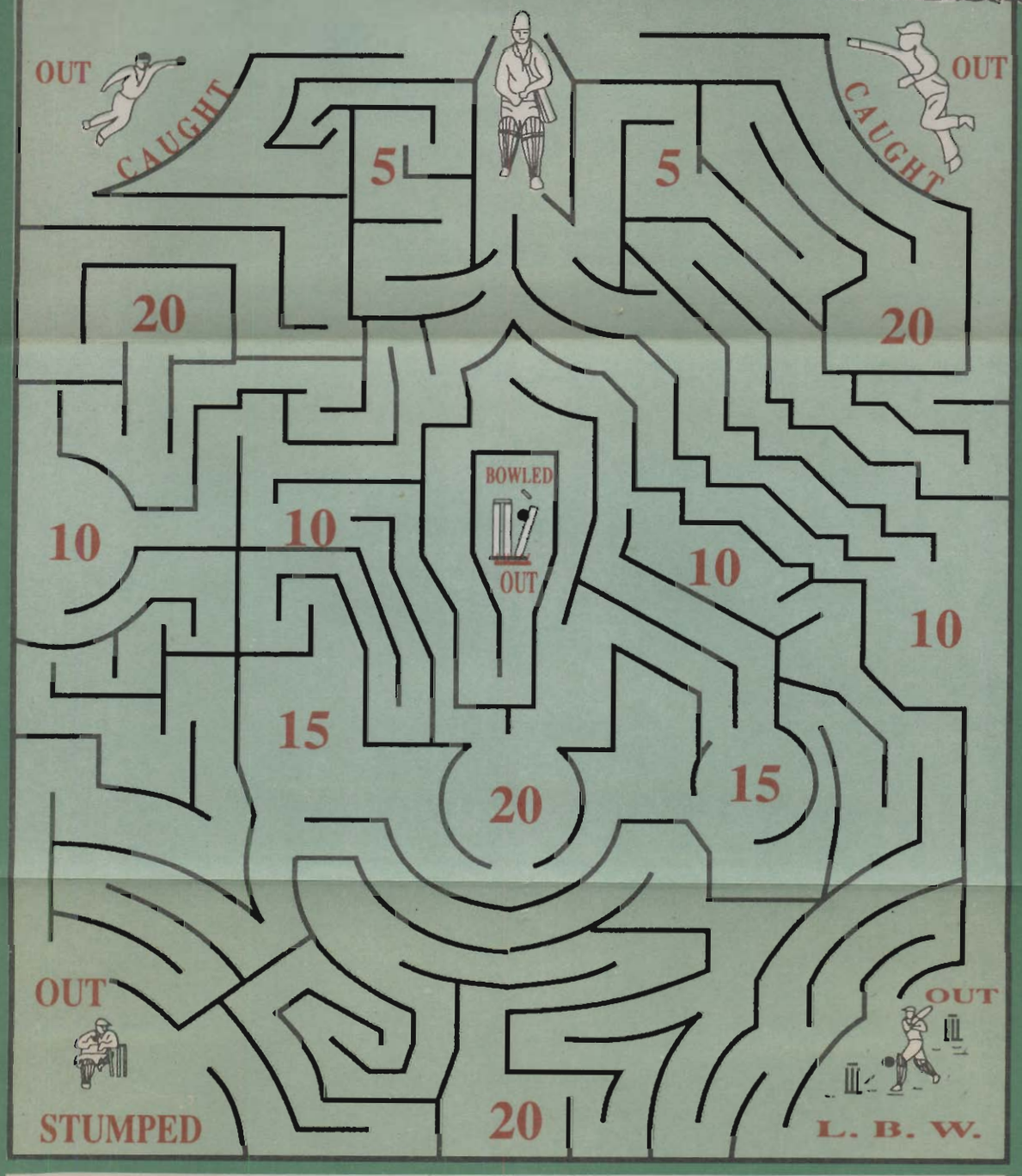

کھیل کا یہ میدان گھر بیٹھے بنایئے۔ ماچس کی تیلی سے راستہ تلاش کرنا شروع کیجئے جس عدد سے گزریں وہ رنز شمار کیجئے لیکن ایک ہی راستہ یا عدد سے آپ دوبارہ نہیں گزر سکتے۔ چاروں کھونٹ خطرہ ہے

Trust Your Favorite Sweater to Your Drvcleaner

Snowhite
DRY CLEANING INDUSTRIES
Karachi – Multan – Lahore – Rawalpindi

Head Office: Snowhite Centre, Abdullah Haroon Road, Karachi. Phones: 5681723-2 Lines-5685124-3 Lines, Fax: 5683936.

Branches: Bahadurabad, Tel: 413695 • Burns Road, Tel: 213336. • Clifton, Tel: 573298 • Defence, Tel: 577834 • Gurumandir, Tel: 410521 • Garden Road, Tel: 7722433 • Kharadar, Tel: 204175 • Shahrah-e-Faisal, Tel: 446682 • Carpet Cleaning Div., Tel: 5685124-3 Lines • Multan, Tel: 40538 • Lahore, Tel: 874933 • Rawalpindi, Tel: 567988

IMAGE Communications

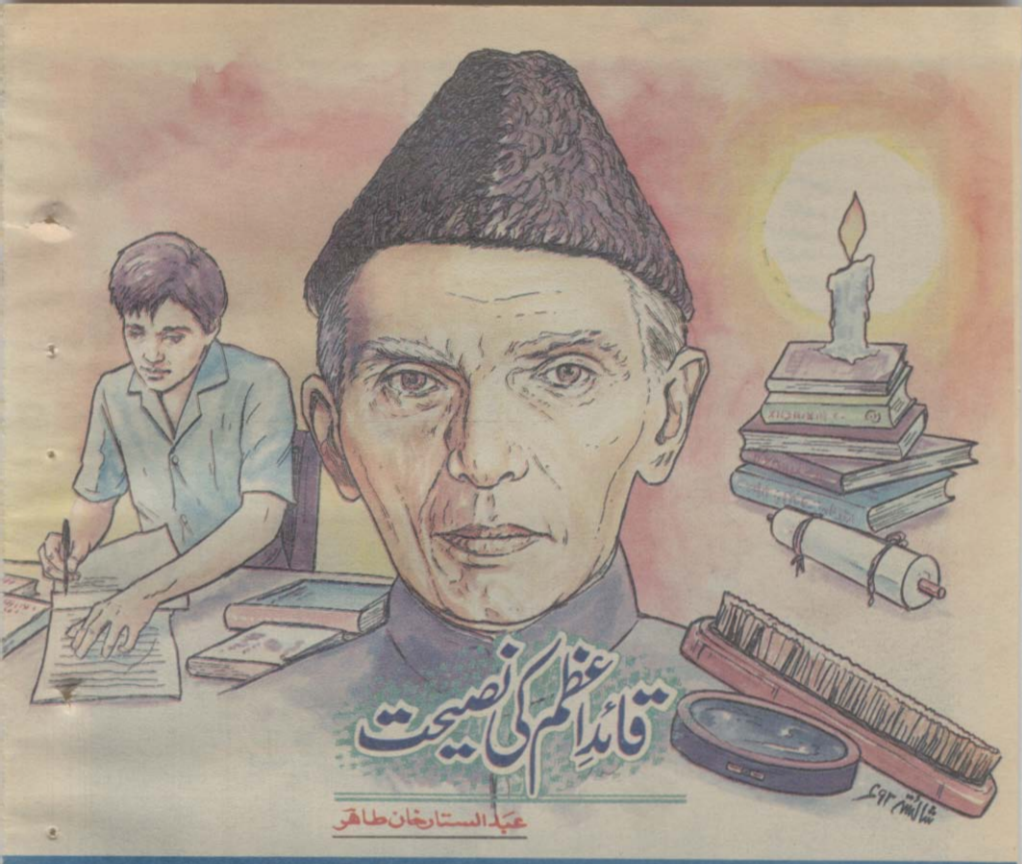

قائدِ اعظم کی نصیحت

عبدالستار خان طاہر

ایک نوجوان کا حیرت انگیز واقعہ جسے قائد سے عشق تھا۔

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب بمبئی میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ختم ہوا تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ملاقات ایک مسلمان نوجوان سے عجیب و غریب حالات میں ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے یہ ملاقات وہ نوجوان کبھی نہ بھول سکا، جو بعد میں بھی ایک نامور وکیل ثابت ہوا۔ غلام صابر نے ابھی میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا کہ کسی بات پر ان کا اپنے والد سے جھگڑا ہو گیا۔ والد کے رویے سے تنگ آ کر غلام صابر گھر چھوڑ کر چل دیئے۔ تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں فرسٹ ائر میں داخلہ لے لیا۔ لیکن چند دنوں کے بعد ہی یہ بھیانک حقیقت سامنے آ گئی کہ تعلیم کے اخراجات پورے نہ ہو سکیں گے۔ نہ فیس کے لئے پیسے تھے نہ کھانے کے لئے۔ غلام صابر نے اپنی جیب کے کل اثاثے کا

جائزہ لیا اور زندہ رہنے کے لئے برش اور کچھ پالش کی ڈبیاں خرید لیں اور بوٹ پالش کو اپنا ذریعۂ معاش بنالیا۔ اس سے جو آمدنی ہونے لگی اس سے وہ اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے لگے۔ علی گڑھ کے کچھ دوستوں نے انہیں بعد میں سمجھایا کہ وہ ان سے مدد قبول کریں اور تعلیم جاری رکھیں۔ بوٹ پالش کا دھندہ چھوڑ دیں۔ غلام صابر خود دار تھے۔ انہوں نے کسی کی مدد لینا گوارا نہ کیا۔ وہ بوٹ پالش کے دھندے سے اپنے اخراجات پورے کرتے رہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں وہ سرسید ایسٹ (EAST) ہوسٹل کے ایک کمرے میں رہتے تھے۔ اس کمرے میں ان کے ساتھ غلام نبی پٹھان (سابق صدر ایوب خان مرحوم کے کزن) محمد یعقوب اور رحمت اللہ بھی رہتے تھے۔ یہ غلام صابر کو بہت سمجھاتے مگر وہ اپنے دھندے اور محنت کی روزی سے خوش تھے۔ چھٹیاں ہوئیں تو غلام صابر گھومتے پھرتے بمبئی چلے گئے۔ یہاں بھی وہ گزر بسر کے لئے بوٹ پالش کرتے تھے۔ ایک دن وہ بوٹ پالش کرتے ہوئے بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں پہنچ گئے۔ وہاں لاؤنج میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ تشریف رکھتے تھے۔ غلام صابر ان کے قریب جا کر بولے۔ "جناب آپ بوٹ پالش کرائیں گے؟" قائد اعظم محمد علی جناح نے غلام صابر کو غور سے دیکھا۔ تعلیم یافتہ اور اچھے گھرانے کا فرد ہونے کی وجہ سے وہ اچھا اور صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

غلام صابر نے جواب دیا۔ "جناب! میں علی گڑھ میں فرسٹ ائر کا طالب علم ہوں۔"

"بوٹ پالش کیوں کرتے ہو؟" قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے پوچھا۔

"جناب!" غلام صابر نے جواب دیا۔ "اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے مجھے یہی دھندا موزوں نظر آیا تھا۔"

قائد اعظم محمد علی جناح نے محسوس کیا کہ اگرچہ خوددار نوجوان بوٹ پالش کر کے اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کر رہا ہے لیکن دل سے اسے یہ کام پسند نہیں۔ وہ اس محنت کی عظمت کا شعور نہیں رکھتا۔ انہوں نے کہا۔ "کیا تم بوٹ پالش کرنا اچھا نہیں سمجھتے؟" غلام صابر کو قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے یہ سوال اب کچھ عجیب سے لگنے لگے تھے۔ اس نے جواب دیا۔ "جناب مجبوری میں یہ کام کر رہا ہوں۔"

"سنو!" قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا۔ "محنت میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ یاد رکھو غریب ہونا کوئی جرم نہیں۔ میں خود غریب آدمی کا بیٹا ہوں۔ تم بہادر، جرأت مند نوجوان ہو۔ تمہیں اپنی محنت پر فخر کرنا چاہئے۔ اپنا حوصلہ بلند رکھو۔"

وہ غلام صابر سے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے پوچھا۔ "پڑھ لکھ کر تم کیا بننا چاہتے ہو؟"

"جناب!" غلام صابر نے جواب دیا۔ "میں ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔"

"نہیں ڈاکٹر نہیں۔" قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا۔ "تمہیں وکیل بننا چاہئے۔"

"کیوں جناب؟" غلام صابر نے پوچھا۔

"وکیل کیوں؟"

"اس لئے کہ تم جیسے باہمت نوجوان کو قوم کی خدمت کرنی چاہئے۔ ڈاکٹروں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ قوم کی خدمت کے لئے وقت نکال سکیں۔ وکیل قومی خدمت کے لئے وقت نکال سکتا ہے۔ میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم وکالت کا امتحان پاس کر کے وکیل بنو اور اس کے ساتھ ہی قوم کی خدمت کے لئے وقت نکالو۔"

غلام صابر نے قائد اعظم محمد علی جناح کی اس نصیحت کو گرہ سے باندھ لیا۔

"قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی حوصلہ افزائی اور اس ملاقات کو غلام صابر کبھی نہ بھولے۔ انسانی زندگی میں بعض رشتے اتنے سچے اور گہرے ہوتے ہیں کہ وہ خون کے رشتے نہ ہونے کے باوجود انسان کو ان رشتوں کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ غلام صابر علی گڑھ چلے گئے۔ تعلیم حاصل کرتے رہے اور بوٹ پالش کو اپنی کفالت کا ذریعہ بنائے رکھا۔ ایک دن جب وہ فورتھ ائر کے طالب علم تھے۔ انہوں نے دیکھا کے ایک طالب علم قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی تصویر کی بے حرمتی کر رہا ہے۔ انہیں اپنے قائدؒ سے جو عقیدت تھی اس بنا پر بڑا غصہ آیا۔ غلام صابر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ وہ اس پر پل پڑے۔ دونوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا مگر غلام صابر چونکہ عقیدت کے جوش میں تھے، اس لئے انہوں نے اپنے مدِ مقابل کو رگیدا اور ادھیڑ کر رکھ دیا۔ دونوں زخمیوں کو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ دو ماہ کے بعد جب غلام صابر کے زخم بھرے اور وہ ہسپتال سے یونیورسٹی پہنچے تو مسلسل غیر حاضری کی وجہ سے ان کا نام کٹ چکا تھا۔ وائس چانسلر اے۔ بی حلیم تھے، انہوں نے حکم دیا کہ وہ چوبیس ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر ہوسٹل خالی کر دیں۔ غلام صابر نے ہوسٹل چھوڑ دیا اور علی گڑھ میں گاجر کا حلوہ بنا کر بیچنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد قائد اعظم محمد علی جناحؒ علی گڑھ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ نواب صاحب بھوپال اور لیاقت علی خان بھی تھے۔ کسی نے انہیں غلام صابر کے بارے میں بتایا تو انہوں نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو ان کے پاس لایا جائے۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر نیاز کسی طرح غلام صابر کو ڈھونڈ کر لائے اور ان کی خدمت میں لا کھڑا کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ غلام صابر کو دیکھتے ہی پہچان گئے۔ مگر وہ خاموش رہے۔ پروفیسر نیاز نے غلام صابر کا تعارف کرایا کہ جناب یہ آپ کا وہ شیدائی ہے جو بوٹ پالش کر کے اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کرتا رہا اور فیس معاف نہیں کرائی۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ شفیق باپ کا دل رکھتے تھے لیکن وہ اصولوں کو نظر انداز کرنے

کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے غلام صابر کی حرکت پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ایک معمولی سی بات کے لئے کسی مسلمان کا خون بہانے کی ضرورت نہ تھی۔ میری تصویر کی اس نے بے حرمتی کی تو کیا ہوا؟ میری تصویر روزانہ اخبار میں شائع ہوتی ہے۔ جانے کون کون کس کس طرح سے اس کی بے حرمتی کرتا ہوگا۔" "جناب!" غلام صابر نے جوش سے کہا "جو میرے لیڈر کی توہین کرے گا میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" قائداعظم محمد علی جناحؒ مسکرا دیئے اور غلام صابر سے کہا۔ "مائی سن! (MY SON) تم میرے ساتھ بمبئی چلو میں تمہیں خود پڑھاؤں گا۔" قائداعظم محمد علی جناح کے سچے پرستار کی آنکھیں عقیدت سے بھیگ گئیں۔ اس نے جواب میں کہا۔ "سر! میں آپ پر یا کسی اور پر بوجھ نہ بنوں گا۔ اگر ممکن ہو سکے تو علی گڑھ یونیورسٹی سے میرا اخراج رکوا دیں۔" قائداعظم محمد علی جناحؒ دو دن تک علی گڑھ میں رہے۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اے۔ بی حلیم ان دنوں علی گڑھ میں نہیں تھے۔ اتفاق سے جب قائداعظم واپسی کے لئے گاڑی میں سوار ہو رہے تھے۔ اسی وقت اے۔ بی حلیم کی گاڑی داخل ہوئی۔ قائداعظم نے اے۔ بی حلیم سے بات کی اور پھر غلام صابر کو ہدایت کی کہ وہ وائس چانسلر سے ملیں۔ غلام صابر نے بعد میں وائس چانسلر سے ملاقات بھی کی مگر اس وقت تک معاملہ اس قدر الجھ چکا تھا کہ غلام صابر سمجھ گئے کہ

اصول ..... سب کے لئے

قیام پاکستان کے بعد دسمبر ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس خالق دینا ہال کراچی میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے مسلم لیگی ارکان نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس نے تقسیم ملک کے بعد مسلم لیگ کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ قائداعظمؒ جو ابھی تک مسلم لیگ کے آئینی صدر تھے اور پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے پر فائز تھے، آپ بھی اجلاس میں شرکت کے لئے آئے۔ ہال کے دروازے پر مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار اعلیٰ صدیق علی خان ارکان کے داخلہ کا پاس چیک کر رہے تھے۔ قائداعظمؒ تشریف لائے تو انہوں نے احتراماً ایک طرف ہوتے ہوئے ان کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ اندر جا کر قائداعظمؒ نے صدیق علی خان کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ حسب قاعدہ ان سے داخلہ پاس کیوں طلب نہیں کیا گیا۔

قائداعظمؒ کی اصول پسندی پر انہوں نے شرمندگی کے ساتھ معذرت کی جسے قائداعظمؒ نے مسکراتے ہوئے قبول کر لیا۔ یوں انہوں نے اس امر کا ایک بار پھر ثبوت دیا کہ جمہوریت اور اصول وضوابط کی ان کی نظر میں کتنی وقعت اور قدر و قیمت تھی۔

مرسلہ: سید حسنین عباس ہمدانی، بھوٹہ

یونیورسٹی میں ان کا دوبارہ داخلہ ممکن نہیں ہے۔ غلام صابر علی گڑھ سے کراچی چلے گئے۔

کراچی میں انہوں نے تعلیم جاری رکھی۔ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور غلام صابر نے ایک دن اپنے قائدؒ کی خواہش کے مطابق قانون کا امتحان پاس کر لیا۔ ایک لمبا عرصہ گزر چکا اور غلام صابر کی اپنے قائدؒ سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ پھر پاکستان بن گیا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے پاکستان چلے آئے۔ غلام صابر وہ وقت کبھی نہیں بھولے، جب قائداعظمؒ کسی تقریب میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ غلام صابر کے پاس کیمرہ تھا۔ مگر وہ پریس فوٹو گرافر نہ تھے۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھے اور اپنے قائدؒ کی تصویر لینے کے لئے اور آگے سرکتے چلے گئے۔ جب وہ اپنے قائدؒ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو سیکورٹی کے ایک افسر نے انہیں روک دیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی نگاہ غلام صابر پر پڑ گئی۔ کئی سال بیت چکے تھے۔ لیکن قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنے اس پرستار کو نہ بھولے تھے۔ انہوں نے افسر سے کہا "اسے میرے پاس آنے دو۔" جب غلام صابر ان کے پاس گئے تو قائد محمد علی جناحؒ نے پہلا سوال یہ پوچھا۔ "کیا آپ نے لاء کر لیا ہے؟" غلام صابر کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے فخر سے کہا "سر میں قانون کا امتحان پاس کر کے وکیل بن چکا ہوں۔" غلام صابر نے دیکھا کہ ان کے عظیم قائد

حقیقت

☆ جب میں نے اپنے استاد سے کہا کہ آپ میں اچھی بات یہ ہے کہ آپ خوشامد پسند نہیں کرتے تو وہ یہ سن کر خوش ہو گئے اور بولے۔ "ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔"

کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ غلام صابر کچھ دنوں بعد گورنر جنرل ہاؤس گئے اور اپنے قائدؒ سے ملاقات کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنے قائدؒ کی دعوت کرنا چاہتے ہیں۔ "مجھے آپ کے ہاں کب آنا ہو گا؟" قائداعظمؒ نے پوچھا۔ غلام صابر نے ادب سے جواب دیا۔ "سر! آپ قوم کی متاع عظیم ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں خود آپ کو کھانا پہنچا دوں۔" قائداعظمؒ مسکرائے اور بولے "اچھا تم کھانا پہنچا سکتے ہو۔" غلام صابر کئی روز تک کھانا لے کر جاتے رہے۔ پھر ایک دن محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ان سے کہا۔ "قائداعظمؒ آپ سے بے حد خوش ہیں لیکن اب آپ ہر روز کھانا پہنچانے کی زحمت نہ کریں۔ قائداعظم یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ ہر روز یہ زحمت کریں" .....

غلام صابر کو قائداعظمؒ کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک لمحہ اور ان کی ایک ایک بات یاد رہی، ایک ایک۔ اور کیوں نہ رہتی کہ یہ وہی قائداعظم محمد علی جناحؒ تھے جنہوں نے غلام صابر کو اس وقت سہارا دیا تھا جب اس بھری دنیا میں ان کا خدا کے سوا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

ہوا کو کس نے دیکھا ہے؟

حفیظ الرحمٰن احسن

ہوا کو کس نے دیکھا ہے؟
کسی نے بھی نہیں دیکھا!
کہو سچ سچ ..... کہیں دیکھا؟
مگر جب پیڑ کی شاخوں پر
پتّے کھڑکھڑاتے ہیں
تو یہ سمجھو، ہوا ان کو ہلاتی ہے
اور ان کے درمیاں سے
ہو کے جاتی ہے!

..... ○ .....

ہوا کو کس نے دیکھا ہے؟
کسی نے بھی نہیں دیکھا!
کہو سچ سچ ..... کہیں دیکھا؟
مگر جب پیڑ اپنے سر جُھکائے
جھومتے ہم کو نظر آئیں
تو یہ سمجھو، ہوا چلتی ہے تیزی سے
اور ان کو چُھو کے جلدی سے گزرتی ہے
(مگر یہ کام سارا چُھپ کے کرتی ہے)
تو یوں سمجھو،
ہوا کو گو نہیں دیکھا ..... مگر پھر بھی
ہوا کو سب نے دیکھا ہے!

محبّت کی نفرت

سید نظر زیدی

جب وہ پیدا ہوا تھا تو اس کی ماں نے اس کا نام محبت علی رکھا تھا۔ اپنے اس بیٹے کا یہ نام انہوں نے اس امید پر رکھا تھا کہ شاید اس نام کی برکت سے محبت کے ٹوٹے ہوئے رشتے جڑ جائیں۔

اس خاندان کو خدا نے سب کچھ دے رکھا تھا لیکن معلوم نہیں کیوں آپس میں حسن سلوک نہ تھا۔ سبھی ایک دوسرے سے روٹھے روٹھے رہتے تھے۔ خاص طور پر بچّوں میں تو یہ برائی بہت ہی زیادہ تھی۔ ایک دوسرے سے بات کرتے تو لگتا لڑائی ہو رہی ہے۔ اسکول جانے سے پہلے اور اسکول سے آنے کے بعد قریب قریب روزانہ چیخم دھاڑ ہوتی تھی۔ گلفام شور مچاتا۔ "امی! اس سلیم کے بچّے نے میرے بستے میں سے پنسل نکال لی ہے۔" سلیم جوابی جملہ کرتا "بکواس کر رہا ہے۔

یہ اپنی چیزیں سنبھال کر نہیں رکھتا، الزام مجھ پر لگا دیتا ہے۔"

عینی غل مچاتی "ہائے اللہ! میری جرابیں نہیں مل رہیں۔ الفت بہن، آپ نے اٹھائی ہوں تو دے دیجئے۔ آج دھوئی تھیں میں نے۔" الفت چیخنے کے انداز میں جواب دیتی۔ "صرف جرابوں کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو، جوتوں کے بارے میں بھی کہو کہ وہ بھی میں نے اٹھائے ہیں۔"

امی ان دونوں کا مکالمہ سن کر دونوں کو ڈانٹتیں اور یوں گھر میدان جنگ نظر آنے لگتا۔ ان کے پڑوسی کلیم صاحب کہا کرتے تھے۔ "معلوم ہوتا ہے شاہ صاحب کے گھر والے لال مرچیں بہت کھاتے ہیں۔ بیگم تم کسی دن مناسب طریقے سے مشورہ دینا یہ بدپرہیزی چھوڑ دیں۔ باتوں کی تیزی کم ہو جائے گی۔"

شاہ صاحب ذاتی طور پر بہت نرم دل اور مہذب آدمی تھے۔ نیک بھی بہت تھے اور اس لئے اللہ پاک نے ان کے کاروبار میں بہت برکت دی تھی۔ لیکن معلوم نہیں بچوں میں یہ تیزی اور بدتمیزی کہاں سے آگئی تھی، اور ان میں بھی میاں محبت علی تو گویا سب کے گرو تھے۔ گھر کے علاوہ وہ تو اسکول میں بھی نت نئے ڈرامے کرتے رہتے تھے۔ شرارتیں کرنے کے علاوہ ان میں ایک بہت بری عادت ہاتھ چالاکی کی پیدا ہوگئی تھی۔ کسی کی کاپی کھسکا لیتے، کسی کا قلم اڑا لیتے۔ دائیں بائیں بیٹھنے والے طالب علم ان کی اس بری عادت کی وجہ سے سخت پریشان رہتے تھے۔ یہ بے چارے ان کی شکایت اس لئے نہ کرتے تھے کہ وہ ہاتھ پیروں کے خاصے مضبوط تھے۔ کوئی ان کی طرف دیکھتا بھی تو مُکا تان لیتے۔

دوسروں کی چیزیں اڑا لینے کی عادت دراصل انہیں یوں پڑی تھی کہ وہ چٹورے بہت تھے۔ میٹھی گولیوں سے لے کر چٹ پٹے پکوڑوں تک، ہر چیز انہیں پسند تھی اور ظاہر ہے یہ سب چیزیں کھانے کا شوق جیب خرچ سے تو پورا ہو نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہ بہت ہی بری عادت اپنالی تھی اور اسے اتنا بڑھالیا تھا کہ اسکول کے ساتھیوں کے علاوہ گھر والوں کو بھی ستاتے رہتے تھے۔

..... ○ .....

اس گھر کے بچوں میں بس ثروت ایسی تھی جو اپنے بھائیوں اور بہنوں سے بالکل الگ نظر آتی تھی۔ وہ نہ شرارتیں کرتی تھی اور نہ چیختی چلاتی تھی۔ اس کی ہر بات سے سلیقہ اور شرافت ظاہر ہوتی تھی۔ اپنی سب چیزیں صاف ستھری رکھتی۔ اس کی کوئی چیز بے ٹھکانے نظر نہ آتی۔ جوتے، جرابیں، کتابیں اور یونیفارم، غرض ہر چیز اس کی جگہ پر رکھتی۔ اس لئے اس کے سارے کام بالکل آسانی سے ہو جاتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا ہی نہ تھا کہ کوئی چیز مل نہ رہی ہو اور دوسروں سے پوچھ رہی ہو کہ انہوں نے تو نہیں اٹھالی۔ اگر کوئی اس کی کسی چیز کو دوسری جگہ رکھ بھی دیتا تو وہ شور مچائے بغیر پھر اس

کی جگہ رکھ دیتی۔ اس کے کپڑے ہر وقت صاف ستھرے رہتے تھے۔ اس کی کتابیں اور کاپیاں بالکل نئی لگتیں۔ نہ ان پر داغ دھبے لگے ہوتے۔ نہ ان کے کونے مڑے تڑے نظر آتے۔ فائدہ ہے جب کوئی اپنے آپ کو ہر طرح اچھا بنالیتا ہے تو سب اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس قاعدے کے مطابق ثروت کو اپنے پرائے سب اچھا سمجھتے تھے، لیکن محبت میاں کی بات الٹی تھی۔ انہیں تو اپنی اس اچھی بہن سے جیسے خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا۔ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ مجھے سب کی نظروں سے گرانے کے لئے یہ صاحبہ اچھے اچھے کام کرتی ہیں۔ جب بھی کسی شرارت کی وجہ سے انہیں ڈانٹا جاتا، ان کا خیال فوراً ثروت کی طرف جاتا، سوچتے ضرور ثروت نے میری شکایت کی ہے۔ مجھے ذلیل کر کے وہ اپنے نمبر بنواتی رہتی ہے۔ اور پھر اس غریب کو ستانے اور نقصان پہنچانے کی کوششوں میں لگ جاتے۔

ثروت کو بھی اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ محبت میرا دشمن بنا ہوا ہے، لیکن وہ دل کی ایسی اچھی تھی کہ نہ کسی سے اس کی شکایت کرتی تھی اور نہ خود اسے کسی طرح کا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کسی طرح اس کا یہ بھائی وہ حرکتیں چھوڑ دے جن کی وجہ سے سب اسے بُرا کہتے ہیں۔ کبھی کبھی تو اس کے لئے دعا مانگتی۔ "اے میرے پیارے اللہ! میرے محبت بھائی کو ایسا اچھا بنا دے کہ سب ان کی تعریفیں کریں اور انہیں خوب شاباشیں دیں۔" لیکن اس کی یہ دعا تو اس وقت قبول ہوتی جب یہ شریر لڑکا خود اچھا بننا چاہتا۔ اس کا حال تو یہ تھا کہ برائی کے راستے ہی میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

..... ○ .....

ایک دن ثروت اسکول سے آئی تو اس نے دیکھا، محبت میاں امی کے کمرے میں گھسے اس الماری کی چیزیں الٹ پلٹ کر رہے ہیں جس میں وہ اپنا پرس اور ضروری چیزیں رکھا کرتی تھیں۔ یہ دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ یہ صاحب ضرور کوئی گڑبڑ کرنے کے لئے الماری میں گھسے ہیں! اس نے سوچا ان سے پوچھیں وہ امی کی خاص الماری میں کیا تلاش کر رہے ہیں؟ اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ امی جان کو بتا دے محبت بھائی نے آپ کی چیزیں الٹ پلٹ کی ہیں، لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش رہی کہ میں نے کچھ کہا تو گھر میں شور مچے گا۔ امی انہیں ڈانٹیں گی اور یہ صاحب ڈھیٹ بن کر الٹے سیدھے جواب دیں گے۔

محبت میاں ذرا دیر بعد کمرے سے نکل گئے اور گویا آئی مصیبت ٹل گئی۔ ثروت کئی دن سے دیکھ رہی تھی کہ وہ کچھ گھبرائے گھبرائے اور پریشان پریشان سے ہیں، لیکن اب کمرے سے نکلے تو بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ثروت ان کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر سمجھ گئی کہ ان حضرت نے امی جان کے الماری میں ضرور کچھ گڑبڑ کی ہے۔

اس وقت وہ ایسی جگہ بیٹھی تھی کہ محبت نے

اسے نہ دیکھا تھا۔ کمرے سے نکل کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر چلا گیا اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ واپس نہ آئے گا تو وہ امی جان کے کمرے میں جا کر الماری کی چیزیں دیکھنے لگی۔ اسے لگا امی کا پرس اس جگہ نہیں ہے جہاں وہ رکھا جاتا تھا۔ یہ پرس زیادہ تر ثروت کے پاس ہی رہتا تھا۔ مہینے کی شروع تاریخوں میں امی جان اسے سبزی، ترکاری کے لئے پانچ سو روپے دے دیتی تھیں۔ اور وہ یہ روپے حساب کی کاپی کے ساتھ اس پرس میں رکھ دیتی تھی۔ اس کی عادت تھی روز کا حساب روز لکھتی تھی۔ اور باقی بچے ہوئے روپے گن کر اطمینان کر لیتی تھی کہ حساب ٹھیک ہے یا نہیں۔

یہ اس مہینے کی آخری تاریخیں تھیں اور یہ بات اسے اچھی طرح یاد تھی کہ پرس میں صرف پچاس روپے کا نوٹ ہے۔ اس نے پرس کھول کر دیکھا تو نوٹ اس میں نہ تھا اور اس کا صاف مطلب تھا کہ نوٹ اس کے نکمّے بھائی نے اڑا لیا ہے۔ اس بات سے اسے بہت ہی رنج ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ روپے گم ہوئے تھے اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس کے بھائی نے چوری کی تھی اور وہ بھی اپنے امی جان کے پرس میں سے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی اب کیا کرنا چاہئے!

اب آسان بات تو یہ تھی کہ وہ اس چوری کے بارے میں امی جان کو بتا دیتی اور محبت کے پٹنے اور جھڑکیاں کھانے کا تماشہ دیکھتی۔ وہ یہ تماشہ دیکھنا بھی چاہتی تھی۔ دو تین دن پہلے ہی محبت نے اس کے ساتھ کافی بدتمیزی کی تھی اور صاف لفظوں میں دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے شریف بننے کا ڈرامہ ختم نہ کیا تو اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے گا۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ ثروت اچھا بننے کا ڈرامہ کر رہی ہے اور اسی کی وجہ سے سب مجھے برا جانتے ہیں۔

محبت نے سچ مچ چوری کی تھی اور یہ بات ایک طرح پکی تھی کہ اگر وہ امی جان سے کہہ دیتی، تو اس کی خوب پٹائی ہوتی۔ یہ ارادہ کر کے وہ اپنی جگہ سے اٹھی بھی، لیکن پھر نہ جانے کیوں چغلی کھانے کی یہ بات اسے اچھی نہ لگی۔ اسے خیال آیا کہیں ایسا تو نہیں کہ محبت بھائی نے کوئی خاص ضرورت پوری کرنے کے لئے یہ حرکت کی ہو! وہ پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر اپنے پرس میں سے پچاس روپے نکال کر امی کے پرس میں رکھ دیئے۔ یہ روپے اس نے اپنے جیب خرچ میں سے بچائے تھے۔

..... ○ .....

محبت کو یقین تھا پرس میں سے روپے گم ہو جانے کی بات کھلے گی تو مجھ سے ضرور پوچھا جائے گا۔ گھر میں خوب غل مچے گا، لیکن جب ایسا نہ ہوا تو وہ بہت حیران ہوا۔ اس نے اپنے دل میں پکا ارادہ کر رکھا تھا۔ اگر مجھ پر شک کیا گیا، تو ثروت کا نام لوں گا اور جھوٹی قسم اٹھالوں گا کہ اس نے مجھ سے پچاس روپے کی چیزیں منگائی تھیں۔

ادھر ثروت اس خیال میں تھی کہ موقع ملے تو محبت کو سمجھائے کہ اس نے جو حرکت کی ہے اچھی

نہیں، چوری کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ قرآن کے حکم کے مطابق چور کا داہنا ہاتھ کاٹ دینا چاہئے۔ یہ گناہ کرنے والا ساری زندگی تکلیفیں اٹھاتا اور ذلیل رہتا ہے۔ سب اس سے نفرت کرتے ہیں اور اگر پکڑا جائے تو آج کل کے قانون کے مطابق بھی اسے سخت سزا دی جاتی ہے۔ وہ چاہتی تھی کسی طرح اس کا یہ بھائی ایسا اچھا بن جائے کہ سب اس کی تعریفیں کریں۔

اس واقعے کے تیسرے دن کی بات ہے، محبت اپنے کمرے میں بیٹھا فلمی گانوں کی کتاب پڑھ رہا تھا اور عادت کے خلاف اس کے چہرے سے کسی قدر خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ ثروت نے اسے اچھے موڈ میں دیکھا تو اس کے پاس آکر مسکراتے ہوئے بولی۔ آج تو ہمارے محبت بھائی ماشاء اللہ بہت خوش نظر آرہے ہیں!"

"تو بڑی بی آپ ناراض کرنے والی کوئی بات کر دیجئے۔" ثروت کی بات سن کر محبت لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔

"خدا نہ کرے میں اپنے بھائی کو ناراض کرنے والی بات کیوں کرنے لگی۔ میں دعائیں مانگتی رہتی ہوں کہ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور بہت سی کامیابیاں عطا کرے۔" ثروت نے کہا۔

"اچھا اچھا خوشامدیں کرنے کی ضرورت نہیں، جلدی سے یہ بتاؤ یہاں تشریف لانے کی تکلیف کیوں اٹھائی ہے؟" محبت منہ بگاڑ کر اونچی آواز میں بولا۔

ثروت کچھ دیر افسوس بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر نرم آواز میں بولی۔ "میں تو اپنے پیارے بھیا سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ کیا دو دن پہلے اسے پچاس روپے کی ضرورت تھی جو اس نے.....!!"

پچاس روپے کی بات سنتے ہی محبت کے چہرے کی رنگت زرد ہو گئی۔ لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا اور ثروت کی بات کاٹتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔

"لگا دو الزام کہ امی جان کے پرس میں سے پچاس روپے میں نے نکالے ہیں۔ میں چور ہوں، ڈاکو ہوں!"

"محبت بھائی، میں نے یہ کب کہا ہے؟" یہ کہہ کر ثروت محبت کے پاس بیٹھ گئی اور محبت بھری آواز میں بولی، "میرے اچھے بھائی! آپ نے جو طریقہ اپنا رکھا ہے وہ اچھا نہیں۔ یہ تو ایسا راستہ ہے جس پر جگہ جگہ ایسے گہرے گڑھے ہیں جن میں سانپ اور بچھو بھرے ہوئے ہیں، جو بھی اس راستے پر چلتا ہے وہ ان گڑھوں میں گر جاتا ہے اور سانپ اور بچھو اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں آپ اس راستے پر اور آگے نہ بڑھیں یہیں سے پلٹ آئیں اور اس راستے پر چلنا شروع کر دیں جس پر جگہ جگہ پھولوں اور پھلوں کے باغیچے ہیں، یہ نیکی اور بھلائی کا راستہ ہے۔ پیارے بھائی! وعدہ کرو ایسا ہی کرو گے۔"

محبت پہلے کی طرح اکھڑ اور ڈھیٹ بنا رہنا چاہتا تھا، لیکن اب وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس بات سے اس پر

شرمندگی چھائی کہ اس نے جو چوری کی تھی اس کا بھید کھل گیا ہے۔ اس نے شرمندگی بھری نظروں سے ثروت کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ "میری اچھی بہن یہ بات کسی کو بتانا نہیں۔"

ثروت نے اپنی آواز میں اور مٹھاس پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "محبت بھائی! اگرچہ مجھے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ آپ نے امی جان کے پرس سے روپے نکالے ہیں، لیکن میں نے کسی کو بتایا نہیں، بلکہ اپنے پاس سے پچاس روپے پرس میں رکھ دیئے۔"

"کیا واقعی، کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟" محبت نے چونک کہ ثروت کی طرف دیکھا اسے یقین نہ آرہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

ثروت مسکراتے ہوئے بولی۔ "ہاں بالکل سچ ہے اور میں نے یہ کام اس امید پر کیا ہے کہ آپ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔"

"تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہوگا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں آئندہ ایسا کوئی کام نہ کروں گا جسے بُرا یا غلط کام کہا جاتا ہے۔ میری اچھی بہن سچ یہ ہے کہ تمہاری اس نیکی نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں آگئی ہے کہ جب مجھ سے کم عمر کی ایک لڑکی ایسی بن سکتی ہے کہ سب اس کی تعریف کریں اور وہ پچاس روپے جمع کر سکے تو میں ایسا کیوں نہیں بن سکتا۔ انشاء اللہ میں اب ایسا ہی بنوں گا۔" محبت نے جوش بھری آواز میں کہا۔ اس کے چہرے پر خوشی کا نور پھیل گیا تھا۔

ثروت اس سے بھی زیادہ خوش نظر آرہی تھی۔ اس نے بہت محبت سے اپنے اس بھائی کی طرف دیکھا اور ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے لگی۔ "اے اللہ! میرے بھائی کو اس ارادے پر قائم رکھنا اسے واقعی نیک بنا دینا!"

اقوال زریں

۱۔ دو بھائیوں کے درمیان صُلح کرا دینا نماز، روزہ اور صدقہ سے بہتر ہے۔

۲۔ جس کو سلامتی چاہئے وہ خاموشی اختیار کرے۔

۳۔ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

۴۔ سچ بولو خواہ کسی کو ناگوار گزرے۔

۵۔ نیک نصیب وہ ہے جو دوسروں کے حال سے نصیحت پکڑے۔

۶۔ زیادہ ہنسنے سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔

۷۔ ہر شخص کے مرتبے کا لحاظ ضروری ہے۔

۸۔ مسلمان کو بہکانا خیانت ہے۔

۹۔ بُرے ساتھی سے تنہائی اچھی ہے۔

۱۰۔ مومن کی زبان دل سے پیچھے رہتی ہے۔ یعنی بولنا چاہتا ہے تو دل سے سوچتا ہے تب زبان سے نکالتا ہے۔

مرسلہ:۔ ایس دانش زہری، خضدار، بلوچستان

پرندے کتنا تیز اُڑ سکتے ہیں

نگہت آرا چوہان

ہم انسان گھڑ دوڑ اور ایتھلیٹک کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں۔ کون کتنا تیز دوڑا؟ اس کا فیصلہ کرنا بہت آسان ہے۔ کیونکہ دوڑ مخصوص مقامات سے شروع اور ختم کی جاتی ہے اور سینکڑوں دیکھنے والے بالکل دُرست پیمائش کے آلات استعمال کرتے ہیں لیکن پرندوں کی پرواز کی رفتار کی پیمائش کیسے کی جائے؟ یہ مشکل بات ہے۔ بہت سے پرندوں کی رفتار کے متعلق کافی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس موضوع پر ماہرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ سائنس دان سارے ریکارڈز کو دُرست تسلیم نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر ابابیل کی قسم کے پرندے جنہیں سوئفٹ (SWIFT) کہا جاتا ہے، ان کے متعلق مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایسے سوئفٹ پائے جاتے ہیں جن کی رفتار ۱۷۰ میل فی گھنٹہ ہے عراق میں کسی نے دعویٰ کیا ہے کہ ان پرندوں کی رفتار سو میل فی گھنٹہ ہے۔ ایک یورپین شکرے کی حدِ رفتار غوطہ لگاتے ہوئے اسٹاپ واچ کی مدد

سے ۱۶۵ سے ۱۸۰ میل فی گھنٹہ ناپی گئی لیکن بہت سے لوگوں کو ان اعداد و شمار پر شک ہے۔

ایک ماہر نے بتایا کہ اب تک جو تیز ترین رفتار ریکارڈ کی گئی ہے وہ ایک گھریلو کبوتر کی ہے جو ۹۴.۲ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑ رہا تھا۔ لیجئے کچھ پرندوں کی رفتار کے بارے میں ہم آپ کو چند تسلیم شدہ اعداد و شمار بتاتے ہیں۔

شکرا نما عقاب فی گھنٹہ ۶۵ سے ۷۵ میل تک پرواز کر سکتا ہے۔ دوسرے نمبر پر تیز ترین پرندے ہنس اور مرغابیاں ہیں۔ ان کی حدِ رفتار بھی یہی ہے۔ یورپی سوئفٹ، سنری پلا ور اور فاختائیں ۶۰ سے ۶۵ میل فی گھنٹہ تک پرواز کر سکتے ہیں۔ لمبی چونچ والے پرندے (HUMMING-BIRD) جنہیں ہم بہت تیز خیال کرتے ہیں ان کی رفتار ۵۵ سے لے کر ۶۰ میل فی گھنٹہ ہو سکتی ہے۔ گرسل (STARLING) ۴۵ سے ۵۰ میل فی گھنٹہ تک اُڑ سکتا ہے۔ کوّے کی عام رفتار بیس سے تیس میل ہے لیکن یہ ۴۰ سے ۵۰ میل فی گھنٹہ تک بھی اڑ سکتا ہے۔ ابابیل کی عام رفتار ۲۵ میل ہے لیکن خطرے کے وقت ۴۵ سے ۵۰ میل فی گھنٹہ ہو جاتی ہے۔ بگلوں کی حدِ رفتار ۳۵ سے ۴۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ چکور کی بھی یہی رفتار ہے۔ جنگلی ٹرکی کی رفتار ۲۵ سے ۳۰ میل فی گھنٹہ ہے۔

ان تسلیم شدہ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پرندے کتنا تیز اُڑ سکتے ہیں!!!

عجیب مجسمہ

کہتے ہیں یونان میں کسی ایک شہر کے مشہور چوک میں مجسمہ نصب تھا۔ اس مجسمے کی ہیت کذائی کچھ اس طرح سے تھی کہ سر سے مکمل گنجا لیکن ماتھے پر بالوں کا ایک گچھا موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار قینچی تھی۔ بازو کی بجائے دو لمبے لمبے پر جو اس انداز سے ہوا میں لہراتے دکھائی دیتے گویا مجسمہ اڑ رہا ہو۔

لوگ حیرت زدہ ہو کر پوچھتے "آپ کے پر کیوں ہیں؟" مجسمہ جواب دیتا کہ میں ہر وقت اڑتا رہتا ہوں۔ لوگ کہتے کہ آپ کا پورا سر گنجا اور ماتھے پر بال کیوں ہیں؟ مجسمہ جواب دیتا کہ جو مجھے پکڑنا چاہے سامنے سے با آسانی پکڑ سکتا ہے۔

لوگ اس سے پھر پوچھتے "آپ کے پاس قینچی کیوں ہے؟" مجسمہ جواب دیتا کہ جو مجھ سے غافل ہوتا ہے میں بے دردی سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہوں۔

لوگ حیرت زدہ ہو کر اس کا نام پوچھتے ہیں تو مجسمہ جواب دیتا کہ "میں "وقت" ہوں۔"

مرسلہ:۔ محمد فاروق منیر، لاہور

زندگی اے زندگی

○ ..... زندگی کا اصل مقصد خدائی حکومت کا قیام ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر شخص سچائی اور دیانت اختیار کرے۔ (ٹالسٹائی)

○ ..... زندگی کا مقصد مسرت نہیں بلکہ تکمیل انسانیت ہے۔ (ہیگل)

مرسلہ: زین اختر، کراچی

لومیں آگیا ہوں

عبدالرشید فاروقی

کمرہ کھلونوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف کھلونے ہی کھلونے تھے۔ خوبصورت اور پیارے پیارے۔ تاجی حیرت و خوشی کے ملے جُلے تاثرات چہرے پر سجائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پھر معاً اس نے جھک کر، پیروں کے پاس پڑا ہوا خوبصورت بھالو اٹھالیا۔ تاجی کو یہ بھالو بہت اچھا لگتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کے پاس بھی ایسا خوبصورت بھالو ہو، جس کے ساتھ وہ کھیل سکے۔ اس نے اپنی امی سے بھالو لانے کو کہا۔ چونکہ وہ بھالو بہت قیمتی تھا، اس لئے امی نے اس سے معذرت کر لی تھی اور

یوں تاجی کی یہ خواہش اس کے من میں ہی رہ گئی تھی۔ تاجی نے پیار سے بھالو کے نرم و نازک جسم پر ہاتھ پھیرا اور پھر اسے چوم کر واپس رکھ دیا۔ جس وقت تاجی نے بھالو واپس رکھا۔ عین اسی وقت شازیہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس نے تاجی کو بھالو رکھتے دیکھ لیا تھا۔ وہ تیز کی صورت، اس کی طرف آئی اور پھر کمرہ چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔ شازیہ کا ہاتھ تاجی کے گال پر سرخی چھوڑ گیا تھا۔ تاجی کی آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔ اس نے بے بسی سے شازیہ کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"ذلیل..... تمہیں..... تمہیں میرے بھالو کو ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے ہوئی؟ اگر یہ ٹوٹ جاتا تو؟"

شازیہ کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔ تاجی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش کھڑی رہی۔ اس کی خاموشی نے شازیہ کا پارہ مزید چڑھا دیا۔ "بولتی کیوں نہیں..... کیوں ہاتھ لگایا تھا، میرے بھالو کو؟"

"وہ جی..... جی وہ..... وہ....." تاجی کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

"وہ جی..... جی وہ..... کیا ہوتا ہے۔ بکو، کیوں ہاتھ لگایا تھا؟"

"شازیہ بی بی! مجھے یہ بھالو اچھا لگتا ہے....." تاجی نے جلدی سے کہا۔ اس کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔

"اچھا لگتا ہے تو خرید لو بازار سے جا کر۔"

"امی خریدنے گئی تھیں لیکن....."

"بہت قیمتی تھا، اس لئے واپس خالی ہاتھ لوٹ آئی۔ یہی کہنا چاہتی ہو ناں!؟"

تاجی خاموش رہی..... شازیہ بولی۔

"دفع ہو جاؤ اور خبردار! آئندہ میرے کمرے میں بلا اجازت آنے کی کوشش یا میرے کھلونوں کو چھونے کی ہمت نہ کرنا....."

"جی بہتر....." تاجی نے کہا اور آنکھوں میں آنسو سجائے کمرے سے نکل گئی۔ رات ماں کے پہلو میں لیٹتے وقت اس نے پوچھا۔

"امی! اللہ میاں نے ہمیں غریب کیوں بنایا ہے؟ اس نے ہمیں بھی ڈھیر سارے پیسے کیوں نہیں دیئے۔ اس نے ہمیں کھلونے کیوں نہیں دیئے؟ بتاؤ نا، امی! اس نے وہ سب کچھ ہمیں بھی کیوں نہیں دیا جو شازیہ بی بی کے امی ابو کے پاس ہے۔"

"میری بچی! اللہ جس کو جو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ ہم مجبور ہیں اور اس کے سامنے دَم نہیں مار سکتے۔ ہمیں ہر حال میں اس کی مرضی کے آگے سر جھکانا ہے۔ اور پھر میری بچی! وہ لوگوں کو آزماتا ہے۔ کسی کو مال و زر سے نواز کر تو کسی کو فاقوں میں رکھ کر۔ کسی کی تمام خواہشات پوری کر کے تو کسی کی چھوٹی سی خواہش بھی پوری نہ کر کے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے جو اس کے امتحان میں پورا اترتا ہے۔ میری بچی! اللہ تعالیٰ نے ہمیں غریب بنایا ہے..... اس نے ہمیں شازیہ بی بی کے پاپا کی

طرح مال و زر سے نہیں نوازا تو اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا ہے ..... میری بچی! جو لوگ ایسا کرتے ہیں، اللہ انہیں مایوس نہیں کرتا ..... " ماں خاموش ہوئی تو تاجی جلدی سے بولی۔

" وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کیا اللہ میاں مجھے شازیہ بی بی جیسا بھالو نہیں دے سکتا۔ مجھے بھالو چاہئے۔ آپ اللہ میاں سے کہیں کہ وہ ہر حال میں بھالو لے دیں ..... " تاجی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ماں نے بیٹی کا منہ چوم لیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

ماں بیٹی نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔

" کون ہے؟ "

" زبیدہ ..... دروازہ کھولو ..... " اپنے ملک کی آواز سن کر زبیدہ تیزی سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا ..... ان کے سامنے شازیہ کے ابو جمیل صاحب کھڑے تھے۔ تاجی بھی اٹھ کر دروازے پر آگئی۔

" صاحب جی ..... آپ اس وقت یہاں .....!؟ " تاجی کی امی کے لہجے میں حیرت تھی۔ تاجی نے دیکھا، جمیل صاحب کے دونوں ہاتھ ان کی کمر کے پیچھے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے انہوں نے کوئی شے چھپا رکھی ہے۔ جمیل صاحب مسکرائے اور بولے۔

" حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تاجی کے لئے تحفہ لایا ہوں ..... "

چارلس ڈکنز

جس قدر پیار لوگوں نے اس کو دیا شاید ہی کسی ادیب کو نصیب ہوا ہو جب وہ امریکہ آیا تو اس کی تقریر سننے کے لئے لوگ کڑی سردی میں گھنٹوں پہلے پہنچ گئے۔ ہر ادیب کا کوئی ہم پلہ ہوتا ہے لیکن چارلس ڈکنز کا ہم پلہ شاید ہی کوئی ہو۔

ڈیل کارنیگی

" تحفہ اور میرے لئے!! " تاجی کی حیرت دیدنی تھی۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ شازیہ کے ابو، جو شہر کے مشہور اور دولت مند آدمی تھے، اس کے لئے تحفہ بھی لا سکتے ہیں۔ " شازیہ کی زبانی معلوم ہوا کہ تاجی کو اس کا خوبصورت بھالو بہت پسند ہے تو میں فوراً بازار گیا اور اپنی تاجی کے لئے بالکل اس جیسا بھالو خرید لایا ..... یہ دیکھو۔ "

جمیل صاحب نے کمر کے پیچھے سے ہاتھ نکالے تو تاجی مسرت سے اچھل ہی تو پڑی۔ انہوں نے ہاتھ میں خوبصورت بھالو پکڑا ہوا تھا۔ تاجی کو یوں محسوس ہوا، جیسے بھالو اس سے کہہ رہا ہو۔

" لو، میں تمہارے پاس آگیا ہوں۔ تمہاری خواہش تھی کہ میرے ساتھ کھیلو ..... مجھ سے باتیں کرو تو میں اسی لئے آیا ہوں ..... "

تاجی کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اس نے لپک کر جمیل صاحب کے ہاتھ سے بھالو لے لیا۔ اس کی ماں ارے، ارے کرتی رہ گئی اور وہ بھالو تھامے، تیزی سے اندر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

اللہ میاں نے اس کی معصوم دعا سن لی تھی۔

○.....○○.....○

جب کوئی ایسا ہوتا تو کیا ہوتا ہے

فرض کیجیے آسمان گہرے سبز رنگ کا ہوتا، سمندر کا پانی خون کی طرح سرخ ہوتا، انسان کے سر پر دو عدد سینگ اُگے ہوتے یا...... اس طرح کی کوئی بھی ایسی بات فرض کیجیے جو انوکھی ہو۔ ایسی نئی اور انوکھی باتیں سُننے والوں کو چونکاتی ہیں، وہ پہلے پہل تو مذاق بھی اُڑاتے ہیں لیکن ایسے لوگ نہیں جانتے کہ دنیا میں جتنی بھی ترقی نظر آرہی ہے وہ ایسے ہی نئی اور انوکھی باتیں سوچنے والوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس صفحے پر آپ کو جو تصویریں نظر آرہی ہیں وہ ان مصوّروں کی بنائی ہوئی ہیں جنہوں نے اپنے تخیل سے ان چیزوں کو اسی طرح دیکھا ہے۔ یہ تصویریں ہمیں چونکاتی ہیں اور انہیں دیکھتے ہوئے عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ آپ بھی نئی اور انوکھی باتیں سوچا کیجیے۔ اس طرح آپ دوسروں سے مختلف ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے آپ اس دنیا کو کچھ دے جائیں۔ کوئی نئی چیز یا کوئی نیا خیال۔

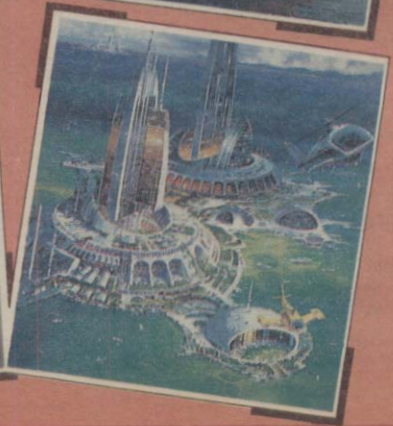

انہیں کیا ملا؟

قرۃ العین

جمال انکل ہم سب بچوں میں بہت مقبول ہیں۔ جب بھی آتے ہیں ہم لوگ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ وہ ہم لوگوں سے مزے مزے کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ کبھی کیرم کا مقابلہ ہوتا ہے، کبھی تاش کی بازی جمتی ہے اور کبھی ہم لوگ لان میں کرکٹ کھیلتے ہیں۔ وہ ہمیں کبھی "بچہ" سمجھ کر نظرانداز نہیں کرتے۔ وہ ہمیں اہمیت دیتے ہیں اور ہم سب سے دوستوں کی طرح پیش آتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی ان سے ملتا ہے تو نہایت بے تکلفی سے پوچھتے ہیں "اور دوست کیسے ہو؟" جب وہ اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے کچھ دنوں تک ہمارے گھر نہ آئیں تو ہم لوگ شدت سے ان کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ یاسر آکر مجھ سے کہتا ہے "بھیا! انکل کو فون کرو ناں۔ وہ کہاں غائب ہیں؟" ہماریہ شکایت کرتی "انکل بہت خراب ہیں پتا نہیں کہاں چلے جاتے ہیں" اور تو اور لایروا فوما نچو..... (یہ نام بھی جمال انکل نے رکھا ہے) بھی پریشان

ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسے کسی کی پروا نہیں ہوتی، اپنے میں مگن رہتا ہے۔ جمال انکل میں ایک عجیب عادت ہے۔ وہ بیٹھے بٹھائے اچانک کوئی ایسا کام کر دیتے ہیں کہ لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ مثلاً اچھی بھلی نوکری سے اچانک استعفیٰ دے دیں گے۔ اچانک اپنی گاڑی بیچ کر بسوں پر سفر کرنے لگیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو ایک ہی جیسی زندگی بسر نہیں کرنا چاہئے۔ ہم لوگوں کی سمجھ میں ان کا یہ فلسفہ کبھی نہیں آیا۔ لیکن وہ کچھ اسی قسم کے ہیں اور بہر حال ہمیں اچھے لگتے ہیں۔

پچھلے دس پندرہ روز سے وہ غائب تھے۔ ہم سب کو ان کا انتظار تھا۔ ان کے گھر پر فون کی گھنٹی بجتی تھی لیکن کوئی اٹھاتا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انکل کسی لمبے دورے پر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس دن ہم لوگ ان کے گھر پر دھاوا بولنے کا پروگرام بنا رہے تھے کہ وہ آ پہنچے۔ لیکن خلاف معمول کچھ سنجیدہ سے لگے۔

"انکل! کہاں تھے آپ؟" سارہ نے انہیں دیکھتے ہی شکایت کی۔

"ہم لوگ تو اخبار میں اشتہار دینے والے تھے۔" فوما نچو نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

"بھئی میں کچھ دنوں کے لئے پاکستان سے باہر چلا گیا تھا۔" انکل نے سنجیدگی سے کہا۔

"کہاں امریکہ؟" فوما نچو نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں بھئی! میں وہاں گیا تھا جو کچھ عرصہ پہلے پاکستان ہی تھا مگر اب پاکستان نہیں ہے۔"

ایک لمحے کے لئے تو ہم لوگ چکرا گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"اچھا تو آپ بنگلہ دیش گئے تھے۔" میں نے کہا۔

"ہاں! تم ٹھیک سمجھے۔" یہ فوما نچو تو بالکل بے وقوف ہے۔ ہمیشہ امریکہ کی اڑان اڑتا ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"بھیا ہم سب میں عقل مند ہیں نا!" سارہ نے کہا۔

"وہ بھیا جو ہیں۔" یاسر شرارت سے بولا۔

"مگر آپ کو اچانک بنگلہ دیش جانے کی کیا سوجھی؟" میں نے پوچھا۔

"بھیا! بڑوں سے اس طرح بات نہیں کرتے۔" سارہ نے ٹوکا اور میں ذرا شرمندہ سا ہو گیا۔

"بھئی تمہیں پتا ہے میں وہیں پیدا ہوا تھا۔ میں نے ابتدائی تعلیم بھی وہیں پائی اس لئے مجھے اس خطے سے بڑی محبت ہے۔ بہت دنوں سے میں وہاں جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اب وہاں کے حالات کیسے ہیں؟ لوگوں کی شکایتیں دور ہوئیں یا نہیں؟!"

"کیسی شکایتیں انکل؟" سارہ نے پوچھا۔

"یہ بہت لمبا قصہ ہے سارہ۔ پھر کبھی سناؤں گا جب تم ذرا بڑی ہو جاؤ گی۔" انکل نے کہا۔

"امی کہتی ہیں کہ سارہ اب تم بڑی ہو گئی ہو

اور آپ مجھے ابھی تک چھوٹا سمجھتے ہیں۔" سار یہ خفا ہو گئی۔

"ہاں بھئی تم بڑی بھی ہو اور سمجھ دار بھی اب تو خوش ہو۔" انکل بولے۔

"آپ کو بنگلہ دیش کیسا لگا انکل؟ کیا وہاں کے لوگ خوش ہیں؟!" میں نے پوچھا۔

"تم لوگ تو جانتے ہی ہو کہ بنگلہ دیش بھی ہمارے ہی ملک کا حصہ تھا۔ یہی کوئی بیس بائیس سال پہلے۔ وہ مشرقی پاکستان کہلاتا تھا۔ وہاں کے لیڈروں نے یہ نعرے لگائے کہ مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی ساری دولت ہڑپ کر جاتا ہے اور بنگالی مسلمانوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ انہیں حکومت کرنے کا حق بھی نہیں دیتا۔"

"ان دنوں سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان وغیرہ مغربی پاکستان کہلاتے تھے نا انکل۔" میں نے اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

"بالکل ٹھیک۔ مشرقی پاکستان کے بنگالی لیڈروں نے جب اس قسم کی باتیں شروع کیں تو وہاں کے عوام میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے۔ بھارت جو ہمیشہ پاکستان کا دشمن رہا ہے۔ اس نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ان جذبات کو خوب ہوا دی جس کی وجہ سے بنگالی مسلمانوں کو ان باتوں کا یقین ہوتا گیا۔"

"تو کیا ان کی یہ شکایتیں درست نہیں تھیں؟" یاسر نے پوچھا۔

"ایک حد تک صحیح تھیں اور ایک حد تک صحیح نہیں تھیں۔" انکل نے کہا۔

"بھلا یہ کیا بات ہوئی؟" فونچو بولا۔

"میں بتاتا ہوں۔" انکل سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"ان کی شکایتیں اس طرح تھیں کہ اس زمانے میں ملک میں مارشل لا تھا اور تم لوگ جانتے ہو کہ مارشل لا میں حکومت فوج کرتی ہے۔ عوام کو اپنے نمائندوں کو چننے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بنگالی عوام حکومت کرنے سے محروم تھے۔ لیکن یہ شکایتیں اس لحاظ سے غلط تھیں کہ پاکستان بننے کے بعد بنگال میں بے شمار ترقیاتی کام ہوئے تھے۔ تعلیمی ادارے کھلے تھے۔ ہسپتال بنے تھے، عام آدمی کی حالت پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر ہوئی تھی۔"

"اچھا پھر کیا ہوا؟" یاسر نے بات آگے بڑھائی۔

"پھر یہ ہوا کہ جب ملک میں پہلے عام انتخابات ہوئے تو بنگالی عوام نے اس پارٹی کو منتخب کر لیا جو صرف بنگالیوں کی نمائندہ تھی اور جو کھلم کھلا مغربی پاکستان سے نفرت کا اظہار کرتی تھی۔ چنانچہ اس وقت کی فوجی حکومت نے اسے اقتدار منتقل نہیں کیا۔ لہٰذا وہاں بغاوت ہو گئی۔"

"یہ تو نا انصافی ہے نا انکل۔ جب وہ جیت گئے تھے تو انہیں اقتدار ملنا چاہئے تھا۔" میں نے کہا۔

"ہاں، اس وقت کی حکومت نے بڑی ناسمجھی کا ثبوت دیا۔ یہ معاملہ آسانی سے حل ہو سکتا تھا

لیکن اسے حل نہیں کیا گیا جب بغاوت ہوئی تو بھارت کو بڑا اچھا موقع ہاتھ آیا اور اس نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور یوں مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بن گیا۔" انکل کی آواز بھرا گئی۔ تھوڑی دیر تک چپ رہنے کے بعد وہ بولے "اصل میں یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے۔ میں نے تم لوگوں کی آسانی کے لئے اسے سادہ طریقے سے بیان کر دیا ہے۔"

"اب تو ہمارے بنگالی بھائی بہت خوش ہوں گے۔ ان کی خواہش پوری ہو گئی۔" میں نے کہا۔

"یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس وقت بھی وہاں کے عوام بنگلہ دیش بننے کے حامی نہیں تھے۔ وہ تو صرف اپنا حق مانگتے تھے۔ انہوں نے بنگلہ دیش بنانے کے لئے ووٹ نہیں دیا تھا، یہ الگ بات کہ حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے۔ بھارت اگر اپنی فوجی طاقت استعمال نہ کرتا تو شاید بنگلہ دیش آج بھی مشرقی پاکستان ہی ہوتا اور جہاں تک بنگالی مسلمانوں کے خوش ہونے کا تعلق ہے تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ بنگلہ دیش کا عام آدمی بھی ان دنوں کو یاد کرتا ہے جب ان کا ملک پاکستان کا حصہ تھا۔ وہ لوگ پاکستان سے آج بھی محبت کرتے ہیں اسی لئے جب پاکستان اور بھارت میں کرکٹ میچ ہوتا ہے تو ان کی ہمدردیاں پاکستانی ٹیم کے ساتھ ہوتی ہیں حالانکہ قاعدے سے انہیں بھارت کا حامی ہونا چاہئے کیوں کہ بھارت نے انہیں آزادی دلائی تھی۔ بابری مسجد کا مسئلہ ہو یا کشمیر کا مسئلہ۔ وہاں کے عوام ہمیشہ مسلمانوں کی حمایت میں آواز بلند کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں آخر وہ بھی مسلمان ہیں۔"

"اب ہمارے مسلمان بنگالی بھائی کیا کہتے ہیں۔ آپ نے وہاں جا کر کیا محسوس کیا؟"

میرے سوال پر جمال انکل نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ جنہیں بنگلہ دیش بننے سے فائدہ ہوا ہے، وہ تو خوش ہیں لیکن عام آدمی مطمئن نہیں ہے اس لئے کہ وہاں ظلم اور ناانصافی اسی طرح ہے، مہنگائی پہلے سے بھی بڑھ چکی ہے، غربت اور افلاس نے سب کا جینا دوبھر کر دیا ہے، اب ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ظالم مغربی پاکستان نہیں تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو آزادی کے بعد ان کے حالات سدھر گئے ہوتے۔ لیکن حالات سدھرنے کے بجائے پہلے سے کئی گنا بدتر ہو چکے ہیں۔ انہیں اس آزادی کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں لیکن اس کے عوض انہیں کیا ملا؟ وہ پہلے سے کہیں کمزور ہو گئے ہیں۔ ایک پاکستان سے انہیں بڑا سہارا تھا۔ ہم دنیا کا سب بڑا اسلامی ملک تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اب ایک کے بجائے دو اسلامی ملک ہیں اور خدا کرے یہ دونوں ملک ترقی کریں لیکن اس ٹوٹ پھوٹ میں انہوں نے پایا کم اور کھویا زیادہ ہے۔"

"آپ سے بنگالی بھائی کس طرح پیش آئے؟" میں نے پوچھا۔

"پہلے مغربی پاکستان سے سخت نفرت کی جاتی تھی بلکہ وہاں جو اردو بولنے والے مہاجرین تھے۔ اُن سے بھی سخت تعصب برتا جاتا تھا لیکن اب تعصب اور نفرت کی یہ دیواریں گر چکی ہیں۔۔۔۔ میں نے تو خیر وہیں آنکھ کھولی تھی۔ میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اس سفر میں وہاں میرے ایک پرانے دوست ملے۔ کہنے لگے۔

"جمال بھائی، آپ چلے کیوں گئے؟"

میں نے کہا "میں گیا نہیں، مجھے تو آپ لوگوں نے نکال دیا۔" اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ ان کا سر جھک گیا، آہستہ سے بولے۔

"جمال بھائی! ہمیں معاف کر دیجئے، ہم سے بڑی بھول ہوئی۔"

انکل بولتے بولتے چپ ہو گئے۔ کمرے کی فضا اداس ہو گئی۔

"بات یہ ہے دوستو!" انکل نے کہا "تعصب سب سے مہلک زہر ہے۔ خواہ یہ تعصب زبان کا ہو صوبے کا یا نسل کا۔ یہ زہر قوموں کو تباہ کر دیتا ہے اس سے بچنا چاہئے کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک!" ہم سب نے کہا لیکن تب مجھے ایسا لگا کہ ہمارے الفاظ کھوکھلے ہیں کیوں کہ یہ زہر تو اب بھی اپنا کام کر رہا ہے۔

ایف سولہ طیارہ

ایف سولہ طیارہ وزن میں بہت ہلکا اور جدید ترین آلات سے لیس ہوتا ہے۔ اسے ۱۹۷۵ء میں امریکی فضائی بیڑے میں شامل کیا گیا تھا۔ جس کے چند سال بعد اسرائیل نے عراق کے ایٹمی مرکز پر حملہ کیا۔ اسرائیل نے اس حملے میں ایف سولہ طیارے استعمال کئے جس کی وجہ سے ایف سولہ طیارے کو کافی شہرت ملی۔ اس کی دو اقسام ہیں ایک ایف سولہ ۷۹ اور دوسری ایف سولہ ۱۰۰ کہلاتی ہے۔

ایف سولہ کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو مخصوص اونچائی پر لا کر راڈار کی نظروں سے اوجھل کر سکتا ہے۔ اس کی اڑان بھی بہت اونچی ہوتی ہے اور یہ غوطے بھی خوب صورت طریقے سے لگا سکتا ہے۔ اس کی رفتار ایک ہزار چھ سو بہتر میل فی گھنٹہ ہے۔ یہ ۳۲۵ میٹر کا فاصلہ ایک سیکنڈ میں طے کرتا ہے۔ اس کے آلات اور ہتھیار ہر وقت کار آمد رہتے ہیں۔ اس میں ایک ایم سولہ اے، ون بیس ایم ایم کی ملٹی بیرل گن فٹ ہوتی ہے، جس میں پانچ سو راؤنڈ ہوتے ہیں۔ یہ بمبار طیارہ زیادہ سے زیادہ چھ ہزار آٹھ سو تیرانوے کلو گرام وزن اٹھا سکتا ہے مگر اس کے لئے اپنے تیل کی مقدار کم کرنی پڑتی ہے۔ اس میں ہوا سے ہوا اور ہوا سے زمین پر مار کرنے والے مختلف میزائل موجود ہوتے ہیں جو برے وقت میں اچھا کام دے سکتے ہیں۔ پاکستان نے ایف سولہ طیاروں کی پہلی کھیپ ۱۹۸۲ء میں وصول کی تھی۔ ایف سولہ طیارے کے پروں کا پھیلاؤ بتیس فٹ دس انچ اور لمبائی انسٹھ فٹ ہے اور اس کی زمین سے اونچائی سولہ فٹ پندرہ انچ ہے۔

مرسلہ: سید حسنین عباس ہمدانی۔ راولپنڈی

دھنک پر جل رہی ہے موم بتی

مرزا محمد شعیب

موم بتّیوں کا استعمال سینکڑوں نہیں بلکہ ہزار ہا سال سے کسی نہ کسی صورت میں ہو رہا ہے۔ یورپ کے گرجا گھروں اور برما کے بُدھ مندروں میں عبادت کے وقت موم بتّیوں کو جلانے کا رواج بہت قدیم ہے۔

بچّوں کی سالگرہ ہو، شبِ برات ہو یا شبِ معراج، موم بتّیاں ضرور جلائی جاتی ہیں۔ آج بھی جب شہروں میں بجلی پہنچ چکی ہے، مشرق ہو یا مغرب، گھروں میں موم بتّیاں احتیاطاً موجود ہوتی ہیں کہ نہ جانے کب بجلی چلی جائے۔ موم بتّیوں کا مذہبی رسومات سے گہرا تعلق رہا ہے۔ مسلمان، بزرگانِ دین کے مزارات پر موم بتّیاں جلاتے ہیں۔ غیر مسلم بھی اپنی عبادت گاہوں مثلاً گرجا گھروں اور مندروں وغیرہ میں موم بتّیاں جلاتے ہیں۔ آج کے جدید اور ترقی یافتہ دور میں بھی موم بتّیوں کی اپنی اہمیت ہے۔

انسان نے جب آگ جلانا سیکھ لیا تو اس کے زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کرنے لگا۔ ابتدا میں رات کو خشک لکڑیاں، پتّے اور گھاس وغیرہ جلا کر روشنی حاصل کرنی شروع کی پھر اس مقصد کے

لئے مختلف جانوروں کی چربی استعمال کرنے لگا۔ چراغ موم بتی کی ابتدائی شکل ہے۔ رفتہ رفتہ ہاتھوں اور مختلف سانچوں کی مدد سے جانوروں کی چربی سے موم بتیاں تیار کرنا شروع کردی گئیں۔ صدیوں تک عبادت خانوں میں جانوروں کی چربی کی موم بتیاں جلائی جاتی رہیں۔ ان موم بتیوں میں نقص یہ تھا کہ ان کو جلانے سے سخت بدبو آتی تھی۔ جو عبادت میں خلل ڈالتی تھی۔

اس تکلیف دہ صورتحال سے نجات پانے کے لئے شہد کی مکھیوں کے موم (BEESWAX) سے موم بتیاں تیار کی جانے لگیں۔ یہ موم بتیاں خوبیوں کے لحاظ سے چربی کی موم بتیوں سے بہت بہتر تھیں کیونکہ جلتے وقت نہ تو ان سے بدبو آتی تھی اور نہ ہی گرمیوں میں پگھلتی تھیں لیکن مکھیوں کا موم مہنگا ہونے کی وجہ سے یہ موم بتیاں بہت مہنگی پڑتی تھیں۔

انیسویں صدی کے شروع میں ایک مغربی سائنس دان نے مختلف تیلوں اور چربیوں کو پھاڑ کر ان سے اسٹریک ایسڈ (STEARIC ACID) تیار کر لیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں جب مٹی کے تیل کے کنویں دریافت کر لئے گئے اور ان سے مٹی کا تیل بہتات سے نکلنے لگا تو سائنس دانوں نے مٹی کے تیل کے کنوؤں کی گاد اور کیچڑ پر کیمیائی عمل کر کے پیرافین ویکس (PARAFFIN WAX) اور دیگر کئی اقسام کے موم تیار کر لئے۔

پیرافین ویکس کی دریافت کے بعد موم بتیوں کی دنیا میں انقلاب آگیا۔ یہ موم سستا اور وافر مقدار میں دستیاب ہونے لگا جس سے لاکھوں ٹن سالانہ موم بتیاں تیار ہونے لگیں۔ یہ موم بتیاں سستی ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی دکھائی دیتی تھیں۔

آج بھی دنیا بھر میں پیرافین ویکس سے ہی موم بتیاں تیار کی جاتی ہیں۔ البتہ ان کو مزید بہتر، خوبصورت اور گرمیوں میں پگھلنے اور آپس میں جُڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے ان میں اسٹریک ایسڈ، مکھیوں کی موم، کارنوباویکس اور مصنوعی موم وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

موم بتیوں کی تیاری کے لئے ایلومینیم کے سانچے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یورپ میں اس مقصد کے لئے مشینیں استعمال کی جاتی ہیں لیکن پاکستان میں اب بھی زیادہ تر سانچوں کے ذریعے ہی موم بتیاں تیار کی جاتی ہیں۔

عام موم بتیوں کے ساتھ ساتھ ڈیزائن دار موم بتیاں، خوشبودار موم بتیاں اور رنگین روشنی پیدا کرنے والی موم بتیاں بھی تیار کی جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے ان میں خاص قسم کے کیمیکل استعمال کئے جاتے ہیں۔

زمانۂ قدیم سے استعمال ہونے والی موم بتی بجلی کی روشنی ہونے کے باوجود آج بھی دنیا میں اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔

۱۰

ہماری نالائقی کا

عاصم گل

ابا کرسی سے اچھل پڑے، امی کا چہرہ لٹکنے کے لئے مناسب زاویہ ڈھونڈنے لگا، باجی طنزیہ نظروں کے تیر برسانے لگیں، بھیا اپنے فیل ہونے کو بھول کر تمیں مار خان کی طرح اکڑ گئے اور منّی بھی ایسے اچنبھے سے ہمیں دیکھنے لگی جیسے ہم کوئی عجیب و غریب مخلوق ہیں اور ابھی ابھی آسمان سے ٹپکے ہیں۔ "بیڑہ غرق ہو ہمارے کالج والوں کا۔" ہم نے بھنّا کر جی میں سوچا۔ "امتحان کا نتیجہ گھر نہ بھیجتے تو کالج بند تو نہ ہو جاتا۔ عمر بھر میں ایک ہی دفعہ تو فیل ہوئے تھے لیکن ایسی سنسنی خیز رپورٹ گھر بھیجی گویا بہرام ڈاکو نے زندہ ہو کر کوئی بڑا ڈاکہ ڈال دیا ہو"۔ لیکن مجبور تھے، کیتلی کے بند پانی کی طرح اندر ہی اندر شوں شوں کرتے رہے۔ ابا کے سامنے بھاپ نکلنے کی بھی تو گنجائش نہ تھی۔

"آوارہ ہو گیا ہے!" ابا نے فیصلہ دیا۔

"ذرا لاپروا ہے، ویسے تو اپنے چچا کے سب لڑکوں سے زیادہ سلجھا ہوا ہے۔" امی نے میرے ساتھ ابا کے رشتے داروں کو بھی لپیٹ لیا۔

"کلاس میں جاتا ہی نہیں ہو گا۔" بھیا نے قیاس لگایا اور باجی نے آنکھیں گھماتے ہوئے ایسے گردن ہلائی جیسے ہماری نالائقیوں سے انہیں مکمل اتفاق ہو۔

پھر ابا کافی دیر صوفے میں دھنسے پائپ کے دھوئیں میں اپنے کند ذہن بیٹے کا غم غلط کرتے

رہے اور خالی خالی نظروں سے چھت کی کڑیوں کو تکتے رہے۔ "کالج کا ٹائم ٹیبل لاؤ۔" انہوں نے بڑے گمبھیر لہجے میں حکم دیا۔ کالج کا ٹائم ٹیبل دیکھنے کے بعد انہوں نے فرمایا۔ "کل سے کلاس روم میں جو نوٹس لو وہ مجھے دکھاؤ۔ خبردار! جو کلاس میں بے توجہی سے بیٹھے۔" ویسے تو ہمیں کلاس روم میں نوٹس لینے پر کوئی اعتراض نہ تھا لیکن ابا کے حکم کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ نوٹس لینے کے لئے ہمیں کلاس میں جانا پڑتا۔ اور کلاس میں بیٹھنے کی جگہ لینے کے لئے ضروری تھا کہ گھنٹی بجتے ہی سیڑھیاں الانگتے، پودے پھلانگتے، کمرے کی طرف اس تیزی سے بھاگیں کہ راستے میں اینٹ، روڑا، پتھر، کرسی، گملا، چپراسی، لڑکا یا پروفیسر وغیرہ قسم کی جو شے بھی مزاحم ہو، وہ یا تو پوری فراخدلی سے فوراً راستہ دے دے اور یا پھر ہم سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جانے کے لئے تیار رہے۔

کلاس روم کی طرف اندھا دھند بھاگنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ ہمارا کالج کسی کنجوس سیٹھ کے دل کی طرح تنگ ہے۔ ہماری کلاس شروع ہوتی ہے تو بنچوں پر صرف چند نورتن قسم کے لوگ ہی بیٹھ سکتے ہیں، باقی یا تو کھڑکیوں اور دروازوں میں چوکیداروں کی مانند معلق رہتے ہیں یا اپنے دماغ کو ٹانگوں کے اسٹینڈ پر جمائے لیکچر سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض ٹوڈی قسم کے لوگ پروفیسر صاحب سے اپیل کر کے نورتن حضرات کی بغل وغیرہ میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور بنچ کے سرے کے آدھے کونے کے نصف حصے پر اپنے آپ کو ٹکائے سارا پیریڈ گزار دیتے ہیں۔

ابا جان کا حکم تھا کہ اگلے روز ہمیں نوٹس انہیں دکھانے ہیں۔ چنانچہ ہم ایسے وقت پر کلاس روم میں پہنچ گئے کہ با آسانی جگہ مل گئی اور وہ بھی ایسی جگہ جو پروفیسر صاحب کی آواز کی مکمل زد میں تھی۔

پروفیسر صاحب آ چکے تھے اور وقتی طور پر وہ کام کر رہے تھے جو بسوں میں کنڈکٹر حضرات کرتے ہیں یعنی جہاں کسی بنچ پر بال برابر جگہ بھی خالی نظر آتی تو وہ فوراً ایک "سواری" کے وہاں ٹھونس دیئے جانے کا حکم دے دیتے۔ ایک ایسے ہی حکم کی لپیٹ میں ہم بھی آ گئے اور اسلم موٹا ہمارے پہلو میں اس طرح گھس آیا کہ اس کی کہنی نہایت تشدد آمیز انداز میں ہماری پسلیوں میں پیوست ہو گئی۔

خدا خدا کر کے حاضری ختم ہوئی اور پروفیسر صاحب نے لیکچر شروع کیا۔ اردو کی کلاس تھی۔ ہم نے نوٹس لکھنے شروع کئے۔

اس مرحلے پر یہ عرض کر دینا غالباً بے جا نہ ہو گا کہ کالج بناتے وقت یہ خاص خیال رکھا گیا تھا کہ اگر لیکچر کے درمیان کوئی طالب علم ذہنی تھکاوٹ محسوس کرنے لگے تو وہ تفریحاً اپنے خیال کو نہایت آسانی سے ان بھانت بھانت کی آوازوں کی طرف منتقل کر سکتا ہے جو سڑک سے بلا روک ٹوک کمرے میں پہنچتی رہتی ہیں۔ ہم نے اکثر ان

آوازوں کو لیکچر سے کہیں زیادہ دلچسپ پایا تھا لیکن اس روز ہم نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ ان آوازوں کو اپنے کانوں میں تو داخل ہونے دیں گے (کیونکہ مجبوری ہے) لیکن دماغ تک پہنچنے نہیں دیں گے۔

ہمیں صرف اتنا یاد ہے کہ اس روز ہمارا ذہن چاق و چوبند تھا اور ساری توانائی سمٹ کر دو انگلیوں میں مرکوز تھی۔ ہم نہایت غور سے پروفیسر صاحب کا لیکچر سن رہے تھے اور ہاتھ مشین کی طرح لفظ لفظ لکھ رہا تھا۔ پروفیسر صاحب اردو ادب میں جدید دور کے آغاز کے متعلق کچھ فرما رہے تھے.....

"۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اردو ادب میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس انقلاب سے نہ صرف ہندوستان کی سیاسی اور معاشرتی زندگی پر اثر پڑا بلکہ علمی اور ادبی دنیا میں بھی انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔" (باہر کوئی تانگہ والا چلایا "بھاٹی لوہاری چار روپے۔" ہم نے آواز کو نظر انداز کر دیا) پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے "اس دور کے ادیبوں اور انشا پردازوں نے انگریزی ادب سے واقفیت حاصل کی اور پھر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو ادب میں نئے رجحانات شروع ہوئے مثلاً نظم نگاری ہی کو دیکھئے۔

(اسلم کی کہنی ہمارے پہلو میں بری طرح چبھ رہی تھی)

دلچسپ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے اردو میں یہ نئے راستے سجھائے انہوں نے خود کبھی انگریزی تعلیم حاصل نہ کی تھی (باہر کوئی چلایا "شربت پیو، ٹھنڈے میٹھے شربت") ہم نے اپنے خشک حلق کو بھول کر فوراً دھیان لیکچر کی طرف منتقل کیا۔

"نثر کی اصلاح تو فورٹ ولیم کالج سے شروع ہو گئی تھی۔ بعد میں سرسید اور ان کے ساتھیوں نے نعرہ بلند کیا اور کہا کہ ادب کو دلیل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔" ایک لخت سڑک پر کوئی ریڈیو پکار اٹھا۔ "ہماری گلی آنا اچھا جی ہمیں نہ بھلانا اچھا جی۔" ہم نے جھلا کر ریڈیو پر تین حرف بھیجے اور پھر سے لکھنے میں مصروف ہو گئے) حالی اور آزاد نے شاعری میں نئی روح پھونک دی۔ ("بابو جی غریب اپاہج کو ایک) روپیہ۔" سڑک پر کسی فقیر کی پاٹ دار آواز دروازوں میں سے ٹپک پڑی لیکن ہم نے کوئی پروانہ کی) "یہیں سے اس دور کی بنیاد پڑی جس کا عہد حاضر بھی ممنون ہے۔ شاعری میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اردو کا شاعر حسن کی رسمی دنیا سے الگ ہو کر حقیقت پسندی کی طرف مائل ہو گیا۔ ("ایک سواری اسٹیشن!!" سڑک پر کوئی بے صبرا تانگے والا ہنہنایا) "یعنی مبالغہ سے گریز اور محبت کی تنگ دنیا سے باہر نکل کر کورانہ جذبات نگاری کو ترک کرنے لگا۔"

"دھا..... دھوں" دو عدد گولوں کے دھماکوں نے پروفیسر صاحب کے لیکچر کے چیتھڑے اڑا دیئے اور پھر باجوں کے بے ہنگم شور نے اطلاع دی کہ کالج کے سامنے والی سڑک پر سے کسی کی خانہ

آبادی کی خوشی میں شادی کا جلوس گزر رہا ہے۔ پروفیسر صاحب نے گھبرا کر دروازے بند کرنے کا حکم دے کر ہنگامی صورتحال نافذ کر دی۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ بارات خراماں خراماں کالج ہی کی طرف آرہی ہے۔ اور اسے نہ صرف کالج کے سامنے سے گزرنا تھا بلکہ کالج کے گیٹ کے عین سامنے اتنی دیر کھڑا بھی ہونا تھا جب تک دولہا کا گھوڑا لید کرنے کے سکون آمیز شغل سے باطمینان فراغت حاصل نہیں کر لیتا۔ بہرحال یہ سب کچھ ہوا اور اس شدت کے ساتھ ہوا کہ دیر تک بارات کے باجوں اور پروفیسر صاحب کے گلے میں سخت جان لیوا قسم کا مقابلہ رہا۔ باجوں کی آواز تو ہم کانوں کے ذریعے سن رہے تھے لیکن پروفیسر صاحب کی آواز صرف آنکھوں کے ذریعہ دیکھی جاسکتی تھی۔ کیونکہ ان کی آواز کا ثبوت دو ہلتے ہوئے ہونٹ، چند پھولی ہوئی گردن کی رگیں اور ہاتھوں کی حرکات تھیں اور یہ چیزیں صرف آنکھوں سے دیکھی جاسکتی تھیں۔ اس بے جوڑ مقابلے کا انجام کچھ تو ظاہر ہو رہا تھا اور کچھ قیاس لگایا جاسکتا تھا کہ اگر پروفیسر صاحب اس مقابلے میں بازی لے جانے کی ذرا زیادہ کوشش کر لیں تو یقینی طور پر نغمۂ شادی، نوحۂ مرگ میں تبدیل ہوسکتا ہے۔

بہرحال آخری فتح پروفیسر صاحب ہی کی ہوئی کیونکہ جیسے جیسے فاصلہ بڑھنے کی وجہ سے باجوں کی آواز دور ہوتی گئی پروفیسر صاحب کی آواز بلند ہوتی گئی۔ ہم نے ایک دفعہ پھر کانوں کو مناسب طور پر جمایا اور فونٹین پین لے کر کاپی پر پل پڑے۔

اس عرصے میں پروفیسر صاحب معلوم نہیں کس موضوع تک پہنچ چکے تھے۔ ہمیں تو بس اتنا یاد ہے کہ جب ہوش سنبھالا تو وہ ایک شعر پڑھ رہے تھے۔ ہم جلدی سے نوٹس لکھنے لگے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

لیکن عین اس وقت اسلم کی کہنی اس شدت سے چبھنے لگی کہ اگر ہم نہایت انہماک سے لکھنے میں مصروف نہ ہوتے تو یقیناً سانس رک جاتا۔ ہم نے بڑی چابک دستی سے پروفیسر کی نظر بچا کر اسلم کی ران میں ایک بھرپور چٹکی لی اور اس کے کسمسانے سے کہنی کا زاویہ اس حد تک تبدیل ہو گیا کہ ہم دوبارہ لیکچر کی طرف توجہ دے سکتے تھے۔ اس عرصہ میں پروفیسر صاحب کہیں آگے نکل گئے تھے۔ جب ہم دوبارہ متوجہ ہوئے تو باہر سڑک پر کوئی بے تکلف چلایا "اوئے مہلجے، آج میلے پہ نہیں چلنا" اور ہم بھنا کر سوچنے لگے کہ ان لوگوں کے دماغ میں ہر وقت میلہ ہی گھسا رہتا ہے اتنے میں گھنٹی بجی اور کلاس ختم ہو گئی۔

یہ تو ہمارے ایک پیریڈ کا پروگرام تھا اگر اسی پروگرام کو پانچ سے ضرب دی جائے تو اس دن کا مکمل ٹائم ٹیبل پورا ہو جاتا ہے۔ گھر جاکر ہم نے کاپی کھولے بغیر الماری میں ڈال دی اور خود ان مصروفیات میں منہمک ہو گئے جنہیں ہمارے بزرگ محض بدگمانی کی بنا پر کھیل کود کا نام دیتے

ہیں۔

شام کو ابا تشریف لائے تو انہوں نے ہمیں کاپی سمیت فوری طلبی کا حکم دیا۔ ہم نے نہایت فدویانہ انداز میں بڑی خود اعتمادی اور اطمینان سے کاپی پیش کر دی۔ انہوں نے نوٹس پڑھنے شروع کئے..... یک لخت ان کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ نقوش سخت ہونے لگے۔ آنکھیں ابلنے لگیں، اور پھر ایک چنگھاڑ کے ساتھ انہوں نے کاپی اس جگہ دے ماری جہاں ہمارا چہرہ تھا اور ساتھ ہی کم از کم ۱۰۰ میل فی منٹ کے حساب سے کچھ اس قسم کے ارشادات کی بوچھاڑ شروع کی کہ اگر ان کو یہاں لکھ دیا جائے تو بہت سے وکیل حضرات ہتکِ عزت سے متعلقہ دفعات کا حوالہ دینا شروع کر دیں گے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہماری تربیت کے لئے خواہ کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو لیکن اس کا یہاں کھلے بندوں ذکر ہمارے ذاتی وقار کے یقیناً منافی ہے۔

اپنے کمرے میں جا کر جب حواس کچھ درست ہوئے تو ہم نے کاپی کھول کر اپنے نوٹس پڑھنا شروع کئے۔ والد صاحب کے غصہ کی وجہ فوراً سمجھ میں آ گئی۔ نوٹس کی نقل مندرجہ ذیل ہے۔ آپ کی سہولت کے لئے ان الفاظ کے نیچے خط کھینچ دیئے ہیں جو والد صاحب کی طبیعت کے لئے فلیتہ ثابت ہوئے۔

"انقلاب ۱۸۵۷ء سے اردو ادب میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس انقلاب کے بعد نہ صرف ہندوستان کی سیاسی اور معاشرتی زندگی پر اثر پڑا۔ بلکہ بھاٹی لوہاری دروازے میں بھی انقلاب عظیم برپا ہوا۔ انگریزی ادب سے واقف ہوتے ہی اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا اردو ادب میں نئے رجحانات کے ساتھ اسلم کی کہنی کی ابتدا ہوئی حالانکہ جن لوگوں نے اردو کو یہ نئے راستے سجھائے انہوں نے خود کبھی ٹھنڈا شربت نہ پیا تھا۔ نثر کی اصلاح فورٹ ولیم کالج سے شروع ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سر سید اور ان کے ساتھیوں نے نعرہ لگایا کہ ہماری گلی آنا اچھا جی ہمیں نہ بھلانا اچھا جی۔ حالی اور آزاد نے اپاہج ہو کر غریبوں کو پیسے دینے شروع کئے۔ یہیں سے اس دور کی بنیاد پر پڑی جس کا عہدِ حاضر بھی ممنون ہے۔ شاعری میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اردو کا شاعر حسن کی رسمی دنیا سے الگ ہو کر تانگے کی طرف مائل ہوا۔ یعنی مبالغہ سے گریز اور محبت کی تنگ دنیا سے باہر نکل کر اسٹیشن کی طرف چل پڑا۔"

پھر کچھ وقفہ کے بعد یہ شعر لکھا ہوا تھا جو حسب ذیل ہے۔ نقل مطابق اصل،

اسلم کی کہنی چھپی ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے

شام کے وقت ہم نے چوری چوری سنا کہ گھر میں ہمارے متعلق مشورہ ہو رہا تھا کہ صاحبزادے پڑھنے کے قابل نہیں، توجہ سے کام نہیں کر سکتے۔ انہیں کالج سے نکال کر کسی کاروبار میں لگا دیا جائے۔

ہشت پا

شرمیلا عفریت

سیّد عرفان علی یوسف

ایک دن میرا ایک ساتھی ماہرِ بحری حیاتیات میرے دفتر میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جار تھا۔ وہ کچھ پریشان دکھائی دیتا تھا۔ اس نے جار میرے سامنے کیا اور بولا ..... "ان ہشت پاؤں نے میرے ڈنک مارے ہیں۔ اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہشت پا ڈنک نہیں مارتے۔"

"یہ واقعہ کیسے ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے جہاز کے عرشے سے بحری حیاتیات کے نمونے جمع کر رہا تھا۔ اچانک پانی کا ایک ریلا عرشے پر آگیا۔ دفعتاً میری ٹانگوں پر کسی جانور کے سخت اور تکلیف دہ ڈنک لگے۔ میں نے ان جانوروں کو پکڑ لیا اور وہ جانور اب اس جار میں بند ہیں۔"

میرے دوست نے جار نیچے رکھ دیا۔ فارمالین کے محلول میں درجنوں چھوٹے چھوٹے ہشت پا تیر رہے تھے۔

میں ہنس پڑا۔ "تمہارا خیال دُرست ہے۔ کوئی آکٹوپس یا ہشت پا ڈنک نہیں مارتا۔ ذرا

مجھے دیکھنے دو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟"

اس کے بعد میں نے ایک ہشت پا کو خوردبین میں رکھ دیا۔ ہشت پا کے ہر بازو میں جلیٹن کے بنے ہوئے ڈنک تھے جو پرتگالی جیلی فش کی طرح کے تھے۔

"آکٹوپس کے بچے جیلی فش کے ان ٹکڑوں کو جمع کرتے ہیں۔" میں نے بتایا "ان ٹکڑوں سے ہشت پا کیا کام لیتا ہے بظاہر یہ واضح نہیں ہے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ ٹکڑے دفاعی مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور نوزائیدہ ہشت پا ان کی مدد سے جھینگوں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور پھر انہیں اپنی غذا بنا لیتے ہیں جب یہ بچے بالغ ہو جاتے ہیں تو انہیں کسی بیرونی مدد کے بغیر شکار کرنے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور اس وقت وہ جیلی فش کے زہریلے ٹکڑوں کو بطور ہتھیار استعمال کرنا ترک کر دیتے ہیں۔"

میرا دوست حیران ہو کر بولا "اس کا مطلب یہ ہے کہ نوزائیدہ ہشت پا کی جبلّت اسے یہ ہتھیار استعمال کرنا سکھا دیتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ صلاحیت اسے ورثہ میں ملتی ہے۔" میں نے کہا۔ اپنے بدوضع بازوؤں، بڑی بڑی ہیبت ناک آنکھوں اور لچکیلے غبارے نما جسم کی وجہ سے ہشت پا بہت سے لوگوں میں کراہیت پیدا کر دیتا ہے۔ کسی سخت جسم کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ سمندر میں کسی بھوت کی مانند اپنے ہدف سے چمٹ جاتا ہے۔ ہشت پا کا اعصابی نظام تمام جانداروں میں سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ اور یہ آبی ممالیا حیوانوں کے سوا ہر آبی جانور سے زیادہ ذہین ہے۔

میں اپنے اسکول کے زمانے ہی سے ہشت پا سے متاثر ہوں۔ جب میں انڈر گریجوٹ طالب علم تھا تو میں نے جھیل ورتھ فلوریڈا میں پانی میں ڈوبی ہوئی گھاس پر ایک ہشت پا کو دھوپ تاپتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر کچھ سوچ کر میں نے پانی میں غوطہ لگایا اور گھاس کے قطعہ تک پہنچ کر اس ہشت پا کو پکڑ لیا۔ ہشت پا کے آٹھوں پاؤں اور سینکڑوں چُسنے (Suckers) میری کلائی کے گرد چمٹ گئے۔ ہشت پا کو ایک جار میں ڈالنے کے بعد میں نے اس کا جائزہ لیا۔ یہ ہشت پا اتنا چھوٹا تھا کہ اس کا جسم میرے انگوٹھے سے بڑا نہیں تھا لیکن اس کا ہر بازو ایک فٹ لمبا تھا۔ یہ ہشت پانی میں رنگوں کی قوس قزح پھیلانے پر قادر تھا۔

میں نے کتابوں کی مدد سے اس کی انواع کے بارے میں جاننے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور دو ماہرینِ بحری حیاتیات بھی اس کا صحیح نام نہ بتا سکے۔ پورے بیس سال گزرنے کے بعد میں نے برسلز، بلجیم میں فطری سائنس کے شاہی انسٹی ٹیوٹ میں اسی نوع کا ایک اور ہشت پا دیکھا۔ یہیں مجھے معلوم ہوا کہ اس ہشت پا کا نام آکٹوپس ڈیفی لیپی

(Octopus defilippi)

ہے جو صرف بحرِ روم اور افریقہ کے مغربی ساحل پر پایا جاتا ہے۔ اس طرح بیس سال قبل میرا پکڑا ہوا

ہشت پا مغربی بحرِ اوقیانوس میں واحد نمونہ ثابت ہوا۔

ہشت پا کے مطالعہ کے خواہش مجھے نیوفاؤنڈلینڈ، جنوبی امریکہ، یورپ اور مغربی افریقہ لے گئی۔ اسی طرح میں نے بہت سے طالب علموں کو ہشت پا کے نمونے جمع کرنے کے لئے بحرِ منجمد جنوبی اور بحرِ ہند تک بھیجا۔

ہشت پا اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے صدفیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ کسی خول میں نہیں رہتے اور ایک انتہائی سرگرم اور تیزی سے حرکت کرنے والے حیوان ہیں۔ اسکوئیڈز اور ہشت پا دونوں تیزی سے رنگ بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دونوں ہی پانی میں تیرنے کے لئے "جیٹ" کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے سر کے نیچے ایک نلکی نما سائفن سے پانی کا تیز دھارا نکلتا ہے جو تیرنے میں ان کی مدد کرتا ہے۔

ہشت پا کے دو بازو چھوٹے ہوتے ہیں۔ آنکھیں بے حد تیز ہوتی ہیں۔ کسی ہشت پا کا شکار کرنے کے لئے بے حد صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہشت پا دنیا کے ہر حصے میں ہر سمندر میں سترہ ہزار فٹ کی گہرائی تک ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ بحرِ منجمد جنوبی میں ہشت پا سطحِ سمندر کے ساتھ ڈھائی میل کی گہرائی تک پائے جاتے ہیں۔ بہت کم حیوان ایسے ہیں جو ہر ماحول اور ہر موسم میں زندہ رہنے اور گزر بسر کرنے کی یکساں صلاحیت رکھتے ہوں۔

ہشت پا بنیادی طور پر ایک گوشت خور درندہ ہے جو کیکڑے، جھینگے اور دوسری قسم کے سمندری حیوان شکار کر کے کھاتا ہے۔ قدرت نے اس حیوان کو غیر معمولی صبر و قناعت کی صلاحیت بخشی ہے۔ میں نے ایک ہشت پا کو ایک مونگے کی چٹان پر گھنٹوں شکار کی تلاش میں پڑے ہوئے دیکھا۔ بہت صبر اور انتظار کے بعد ایک کیکڑا اس کے قریب آیا اور اس نے اسے اپنے آٹھوں پیروں اور سینکڑوں چُسنوں کی مدد سے گرفت میں لے لیا۔

شاید ہی کسی نے کسی ہشت پا کو اپنا شکار کھاتے ہوئے دیکھا ہو۔ لیکن میں نے ایک کیکڑے کی پشت سے جڑے ہوئے گوشت کو باریک باریک ذرّوں میں تبدیل ہو کر ہشت پا کے چُسنوں میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہشت پا اپنی طوطے جیسی چونچ کی مدد سے خول کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور اس کے بعد اپنا زہریلا تھوک اس میں داخل کرتا ہے جو گوشت کو گلا کر مائع بنا دیتا ہے جسے چوسنا ہشت پا کے لئے آسان ہوتا ہے۔

ہشت پا تیزی سے رنگ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فلوریڈا میں پائی جانے والی ایک نوع (Octopus briareus) چند سیکنڈ میں رنگ بدل کر نیلگوں سبز ہو جاتی ہے اور فوراً ہی بھورا ہو سکتی ہے۔ آنے والے لمحوں میں وہ پلک جھپکتے میں سرخ یا سفید رنگ اختیار کر سکتا ہے۔ اسی طرح ایک اور نوع

(Octopus Chierchiae) اپنے جسم پر چاکلیٹی، سفید اور بھورے رنگ کی زیبرا نما پٹیاں بنا سکتی ہے۔

ہشت پا کے رنگوں کے خلیوں میں خاص قسم کے خلیوں کی ایک سطح ہوتی ہے جسے (Iridocytes) کہا جاتا ہے۔

یہ خلیہ سورج کی روشنی سے شعاعوں کو حاصل کرتے ہیں اور انہیں تقسیم کر کے جس رنگ میں چاہیں منعکس کر سکتے ہیں۔ ہشت پا اپنے جذبات کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس کے جذبات کے اظہار کا رنگوں کی میکانیات سے گہرا تعلق ہے۔ اگر کوئی کیکڑا قریب آئے تو ہشت پا کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے۔ چستی کے وقفے میں ہشت پا گہرا سرخ یا گہرا بھورا ہو جاتا ہے۔ رنگ بدلنے سے اس کے دشمن یا شکار بے حد پریشان ہوتے ہیں۔ حیوانات کے طالب علم کے مشاہدے کے مطابق برقی مچھلی اپنے حریف پر حملہ نہیں کرتی بشرطیکہ وہ غائب ہو جائے یا رنگ تبدیل کرے۔ اس وقفہ میں ہشت پا کو فرار ہونے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

بہت سی مچھلیاں ہشت پا کو بطور غذا استعمال کرتی ہیں۔ چند سال پہلے ہم نے فلوریڈا کے ساحل پر ایک سیل فش پکڑی جس کے پیٹ سے ۲۴ آکٹوپس برآمد ہوئے۔ ڈولفن بھی ہشت پا کو بڑے شوق سے کھاتی ہے۔ بحرِ منجمد جنوبی میں آبی پرندے اور ممالیا جانور بھی ہشت پا کا شکار کرتے ہیں۔

ہشت پا کے دشمنوں میں سب سے بڑی دشمن برقی مچھلی ہے۔ اس کا لمبا، چھریرا جسم آسانی سے آبی غاروں سے سوراخوں میں چلا جاتا ہے۔ یہاں ہشت پا پناہ لیتے ہیں۔ براہ راست حملے کے صورت میں ہشت پا برقی مچھلی کے تیز اور باریک دانتوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔

ہشت پا برقی مچھلی سے بچاؤ کے لئے نا صرف یہ کہ اپنا رنگ بدل لیتا ہے بلکہ پانی میں ایسا رنگ دار مادہ خارج کرتا ہے جو ایک سائنسی تحقیق کے مطابق بجلی مچھلی کی دیکھنے اور سونگھنے کی حسوں کو معطل کر دیتا ہے۔

ہشت پا کی بعض قسموں میں مادہ ہشت پا طویل عصہ تک اپنا مادۂ حیات ذخیرہ کر کے رکھتی ہے۔ جب اس کے انڈے دینے کا وقت آتا ہے تو یہ مادۂ حیات ان انڈوں کو زرخیز کر دیتا ہے۔ زرخیزی کے بعد یہ انڈے سمندر کی تہہ میں کسی چٹان یا لکڑی یا پودے سے چمٹ جاتے ہیں۔

ایک دن صبح سویرے کے قریب ساحل سمندر سے کوئی ایک سو گز دور میں نے پانی کی تہہ میں جامنی رنگ کے پر لہریئے مارتے ہوئے محسوس کئے۔ قریب گیا تو دیکھا کہ ایک مادہ ہشت پا مونگے کی ایک چٹان پر اپنے انڈوں کی نگہداشت کر رہی ہے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے انڈوں کو چھونے کی کوشش کی۔ ہشت پا مجھے ڈرانے کے لئے آگے بڑھی۔ اس کا رنگ سبز سے سرخ اور پھر پیلا ہو گیا۔ اس کے دو لمبے بازو تیزی سے

آگے بڑھے اور میں نے اپنے ہاتھ فوراً پیچھے کر لئے۔ میں تجربات اور مشاہدے کی غرض سے یہ انڈے حاصل کرنا چاہتا تھا ہشت پا کے منہ میں زہر ہوتا ہے۔ پھر بھی میں نے اس کے انڈے حاصل کرنے کی ایک کوشش اور کی۔ میں نے لوہے کی ایک سلاخ آگے بڑھائی۔ ہشت پا نے اپنے بازوؤں سے پہلے اس سلاخ کو پکڑ لیا لیکن فوراً ہی وہ اس سلاخ سے علیحدہ ہو گئی۔ اب اس نے اپنے انڈوں کو خود ہی پھوڑنا شروع کر دیا۔ ہر انڈے سے ایک نوزائیدہ ہشت پا نکلتا جس کی لمبائی تقریباً آدھ انچ ہوتی۔ انڈے سے باہر نکلتے ہی یہ ہشت پا رنگ دار مائع خارج کرتا اور اس کے بادلوں میں پوشیدہ ہو کر غائب ہو جاتا۔ جب بہت سے انڈے پھوٹ گئے تو مادہ ہشت پا ایک چٹان کے پیچھے غائب ہو گئی۔ اس کے غائب ہونے کے بعد میں نے باقی انڈے کے ٹکڑے جمع کئے۔ یہ کل ۱۲۰ انڈے تھے۔ ان میں سے تین انڈوں میں اب بھی نوزائیدہ ہشت پا موجود تھے۔ مادہ ہشت پا کی طرف سے اپنے انڈوں اور بچوں کی حفاظت کا یہ عمل کسی جبلت کے تابع تھا یا اس مادہ نے کسی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا؟ مجھے یقین ہے کہ اس مادہ نے ضرورت کے تحت ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔

ہشت پا کو قید رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اکثر ہشت پا انتہائی محفوظ اور بند تالابوں سے بھی بچ کر نکل جاتے ہیں۔ میرے ایک دوست باب سین نے ایک ہشت پا کو پلاسٹک کے ایک ڈبے میں بند کر دیا۔ اس ڈبے میں آدھے انچ چوڑا سوراخ رکھا گیا۔ اس ڈبے کو ۳۰ گیلن پانی کے ایک تالاب میں ڈال دیا گیا۔ آدھے انچ چوڑے سوراخ کے مقابلے میں اس ہشت پا کا جسم ٹینس کی ایک گیند کے برابر تھا اور ہمیں امید تھی کہ یہ ہشت پا اس سوراخ سے باہر نہیں نکل سکے گا لیکن صرف بیس منٹ کی محنت کے بعد یہ ہشت پا اس سوراخ سے باہر نکل آنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہم اس ہشت پا کو روزانہ اس پلاسٹک کے ڈبے میں بند کر دیتے تھے۔ ایک ہفتہ میں اس ہشت پا کو آدھے انچ چوڑے سوراخ سے باہر آنے کی ایسی مشق ہو گئی کہ وہ صرف ڈیڑھ منٹ میں باہر نکل آتا۔

لوگ ہشت پا سے بلاوجہ خوف زدہ رہتے ہیں۔ میں نے ایسی تصویریں دیکھی ہیں جن میں ہشت پا کو انسانوں پر حملہ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہشت پا انسان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے لیکن یہ شاید ہی کسی انسان پر حملہ کرتا ہے۔ میں نے آج تک جو سب سے بڑا ہشت پا دیکھا اس کی لمبائی ۲۸ فٹ تک تھی۔ اس کا اصل جسم کسی فٹ بال کے برابر تھا۔ بہر حال ہشت پا کی چونچ بے حد زہریلی ہوتی ہے اور اگر یہ کسی انسان کو کاٹ لے تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

میرا رب دعا کا سننے والا ہے

سونے سے پہلے کی دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ

اے اللہ! میں تیرا نام لے کر مرتا اور جیتا ہوں۔

کھانے سے پہلے کی دعا

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ

میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت پر کھانا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیت الخلاء جاتے وقت کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہوں یا عورت۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب سو کر اُٹھے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخش دی اور ہم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں شامل کر دے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھر سے نکلنے کی دعا

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ

بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اذان کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِهِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ

وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھانے کے بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیت الخلاء کے بعد کی دعا

غُفْرَانَكَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھ سے ایذا دینے والی چیز دور کی اور مجھے چین دیا۔

آئینہ دیکھنے کی دعاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ

سفر کی دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

اللہ سے رابطہ دُعا کے ذریعے ممکن ہے یہ وہ پکار ہے جو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

ادارے نے ایسی ہی مسنون دُعاؤں کو خوبصورت اور دیدہ زیب اسٹیکرز میں چھاپا ہے۔ ایک مکمل سیٹ کا ہدیہ ۲۵ روپے رکھا گیا ہے

آنکھ مچولی کے پتے پر ۲۵ روپے کا منی آرڈر بھیج کر آپ یہ دُعاؤں کا سیٹ منگوا سکتے ہیں۔ (ادارہ)

منگوانے کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی

انسان زمین کو زمین تباہ نہیں کر سکتا..

خاتون خلاباز کیتھرائن آٹھ سال کی عمر میں

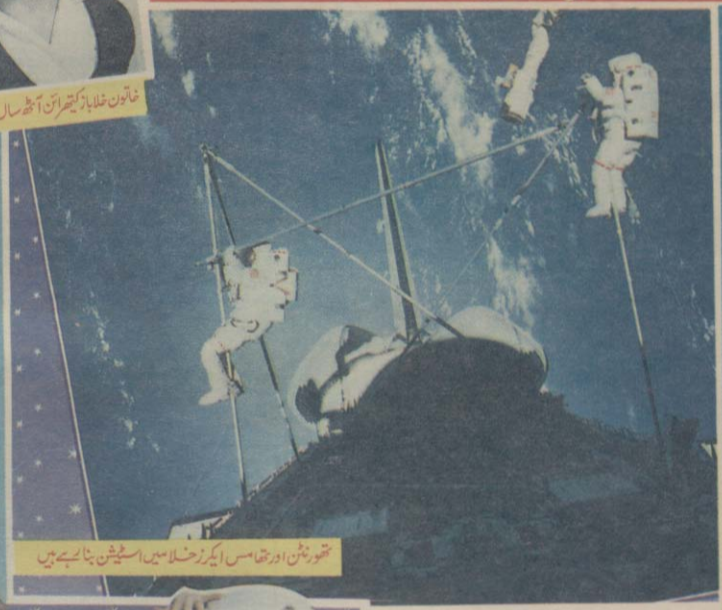

تھورنٹن اور تھامس ایکرز خلا میں اسٹیشن بنا رہے ہیں

ایک امریکی خلا باز خاتون کا دلچسپ انٹرویو

ترجمہ: اقبال جہاں فاروقی

خلا نور دکیسے بنتے ہیں؟
خلا سے ہماری دنیا کیسی نظر آتی ہے؟
خلا میں زندگی کیسی ہے؟

یہ سوالات یقیناً آپ کے ذہن میں بھی پیدا ہوتے ہوں گے۔ ان ہی باتوں کو جاننے کے لئے ذیل میں ایک امریکی خاتون خلا باز کا انٹرویو پیش کیا جارہا ہے۔ ان کا نام کیتھرائن تھورنٹن ہے۔ آپ دنیا کی دوسری خاتون ہیں جنہیں خلا میں جانے کا موقع ملا۔ ان کا انٹرویو ایک اسکول کے تیرہ سالہ طالب علم یومی ایڈیگن نے لیا جو بچوں کے مشہور

تھورنٹن، یومی کو خلائی لباس کے بارے میں بتا رہی ہیں۔

رسالے "دی ورلڈ" کے رپورٹر بھی ہیں۔

یومی: جب آپ خلا میں گئیں تو آپ کے دل میں کیا خیال آیا؟ سب سے زیادہ آپ نے کس چیز کی کمی محسوس کی؟

تھورنٹن: اس میں شک نہیں کہ مجھے اپنے اہل

خاندان شدّت سے یاد آئے۔ خلا میں سفر کا سب سے مشکل مرحلہ اپنے پیاروں کو زمین پر خدا حافظ کہنا ہے اس کے علاوہ اخبارات کی کمی بھی محسوس ہوئی۔

یومی: کیا ان باتوں کے علاوہ خلائی شٹل آرام دہ تھی؟

تھورنٹن: یقیناً خلائی شٹل بالکل ہمارے چھوٹے سے گھر کی طرح تھی جس میں ہم سات خلا نورد مقیم تھے۔ خاص طور پر صبح کے وقت جب ہم سب شٹل کے اس حصے میں ہوتے تھے جہاں ہر ایک اپنے بستر سمیٹ رہا ہوتا یا منہ ہاتھ دھو کر تازگی حاصل کر رہا ہوتا یا ناشتہ لے رہا ہوتا تو ماحول بالکل گھر جیسا ہو جاتا تھا۔

یومی: صبح کی مصروفیات میں تو باتھ روم جانے کا مسئلہ بھی شامل ہے تو یقیناً ہمارے قارئین یہ جاننا چاہیں گے، گندگی کو ٹھکانے کیسے لگایا جاتا تھا؟

تھورنٹن: ٹھوس گندگی ایک ٹینک میں جمع کی گئی اور زمین پر آنے کے بعد اسے ٹھکانے لگایا گیا جبکہ گندگی ٹینک میں جمع کر کے شٹل سے باہر بورڈ پر پھینک دی جاتی تھی۔

یومی: آپ دوسری امریکی خاتون ہیں جنہوں نے خلا میں چہل قدمی کی، کیا یہ درست ہے؟

تھورنٹن: یہ درست ہے۔ گزشتہ مئی میں خلائی شٹل کی پرواز کے دوران مشن کے ماہر تھامس ایکرز اور میں نے خلا میں اسٹیشن قائم کرنے کی بعض ٹیکنیک پر کام کیا تھا۔ ہم مصنوعی ہوائی دباؤ والے کیبن کے باہر تھے۔ مجھے اس وقت بہت اچھا لگا۔

یومی: زمین پر کام کرنے میں اور شٹل سے باہر خلا میں کام کرنے میں کیا فرق ہے؟

تھورنٹن: خلا میں آپ کو بہت آہستہ حرکت کرنا ہوتی ہے کیونکہ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ اس مقام پر نہیں رک سکتے جہاں آپ رکنا چاہتے ہیں۔ آپ کو نہ صرف چلنے کے لئے توانائی خرچ کرنا پڑتی ہے بلکہ ٹھہرنے کے لئے بھی۔ یہ بالکل برف پر اسکیٹنگ کی طرح ہے۔ اگر آپ سامنے آنے والی دیوار سے بہت پہلے رکنے کی کوشش نہیں کریں گے تو آپ دیوار سے ٹکرا کر ربر کی گیند کی طرح کسی دوسری سمت میں چلے جائیں گے۔

یومی: کوئی اور فرق؟

تھورنٹن: خلا نورد کو خصوصی ہوائی دباؤ والا سوٹ پہننا ہوتا ہے۔ ہاتھوں پر خصوصی دستانے پہننے ہوتے ہیں اس سوٹ میں کئی تہیں ہوتی ہیں جن میں پریشر کی تہہ حرارت کی تہہ کھنچاؤ کی تہہ وغیرہ ہوتی ہے۔

ہاتھوں پر دستانے تو بالکل ایسے لگتے ہیں جیسے آپ نے باکسنگ کے دستانے انگلیوں پر سوئی سے سی دیئے ہوں۔

یومی: خلا نورد کے ایک سوٹ پر کیا لاگت آتی ہے؟

تھورنٹن: بس یوں سمجھ لو کہ اس کو پہننے کے لئے

تمہارا کروڑ پتی ہونا ضروری ہے۔

یومی: جب آپ خلا میں چہل قدمی کر رہی تھیں تو زمین کو دیکھ کر آپ کو کیا خیال آیا؟

تھورنٹن: بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا سیارہ زمین کوئی نازک شے ہے۔ لیکن میں نے زمین کو ایک مختلف انداز سے دیکھا۔ یہ ایک عظیم مستحکم سیارہ ہے۔ آپ خلا سے فلپائن میں آتش فشاں پہاڑ پائناٹوبو اور ہندوستان کے پہاڑ ہمالیہ کو دیکھ سکتے ہیں آپ خلا سے یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ سمندروں میں پانی کس طرح لہروں کے صورت میں حرکت کرتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم ننھے منے انسان زمین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔

یومی: کیا آپ بچپن ہی سے خلا باز بننا چاہتی تھیں؟

تھورنٹن: نہیں ایسا تو نہیں ہے جب میں بچی تھی اس وقت تو میں نے خلا باز بننے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت کوئی خاتون خلا باز بھی نہیں تھی۔ بلکہ اس وقت تو اتنے خلا باز بھی نہیں تھے۔

یومی: پھر آپ اس میدان میں کیسے آئیں؟

تھورنٹن: مجھے فزکس پسند ہے میں نے فزکس کا بہت زیادہ مطالعہ کیا۔ ۱۹۸۳ء میں اپنے اسکول میں ایک دن میں نے ایک اعلان پڑھا کہ خلائی پروگرام کے ادارے کو میرے جیسے تعلیمی پس منظر رکھنے والے طلبا و طالبات کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ خلا باز بننے کے لئے بڑا ہونا اور طاقتور ہونا ضروری ہے مگر ایسا نہیں تھا بس ایک عام صحت مند ہونا ضروری تھا۔ میں نے ملازمت کے لئے پہلی بار درخواست دی تھی جو منظور کر لی گئی۔

یومی: جب آپ خلائی سفر پر جاتی ہیں تو آپ کے بچوں کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟

تھورنٹن: میرے تین بچے ہیں کسرول (دس برس) لورا (سات برس) اور سوسن (ڈیڑھ برس) ان سب کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں گھر پر ہی رہوں اور ان کو اچھے اچھے کھانے پکا کر کھلاتی رہوں۔

یومی: جب آپ ریٹائر ہو جائیں گی تو کیا کریں گی؟

تھورنٹن: کیا تمہارا مطلب ہے کہ میں بڑی ہو کر کیا کروں گی؟ (کچھ دیر ہنستی ہیں) میں جب تک ممکن ہوا خلائی پروگرام کے ساتھ کام کروں گی اس کے بعد شاید میں تدریس کا پیشہ اختیار کروں گی۔

یومی: جو طلبہ خلا باز بننا چاہتے ہیں کیا آپ انہیں کوئی مشورہ دینا پسند کریں گی؟

تھورنٹن: آپ کو ریاضی اور سائنس بہت محنت سے پڑھنا چاہئے۔ انجینئرنگ، ریاضی یا میڈیسن میں کالج کی ڈگری اس فیلڈ میں جانے کے لئے مدد گار ثابت ہوگی۔ آپ کو ان ہی مضامین کا مطالعہ کرنا چاہئے جو آپ کو پسند ہوں۔ خلا بازی کے پروگرام کے لئے منتخب ہونے میں قسمت کا بھی دخل ہے۔ آپ کے پاس متبادل پیشہ ورانہ مستقبل بھی ہونا چاہئے۔

ہے۔“

مرسلہ ...... سید عدنان کاکاخیل، اسلام آباد

○ .... ○ .... ○

ایک درزی کپڑا چرانے میں بہت ماہر تھا۔ ایک دفعہ ایک پولیس والا آیا اور درزی سے کہا اس کپڑے کا کوٹ بنادو۔ درزی نے اسے لطیفہ سنایا تو پولیس والا بہت ہنسا۔ درزی نے تھوڑا سا کپڑا اور چرا لیا۔ پولیس والے نے ایک اور لطیفے کی فرمائش کی۔ درزی نے دوسرا لطیفہ سنایا اور تھوڑا سا کپڑا مزید چرالیا۔ پولیس والے نے پھر لطیفہ سنانے کی فرمائش کی تو درزی بولا ”لطیفہ تو میں سنادوں گا لیکن آپ کا کوٹ چھوٹا ہو جائے گا۔“

مرسلہ ...... ساجد الرحمٰن، کراچی

○ .... ○ .... ○

اپنے شاگردوں کو بجلی کے بارے میں بتاتے ہوئے پرائمری اسکول کے ٹیچر نے مناسب سمجھا کہ روزمرہ زندگی میں سے مثالیں دی جائیں چنانچہ انہوں نے ایک شاگرد کو کھڑے ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا ”فرض کرو میں پنکھے کا بٹن دباتا ہوں لیکن پنکھا نہیں چلتا۔ اس کا مطلب کیا ہوا؟“

”یہی کے آپ نے بجلی کا بل نہیں دیا ہے۔“

سیاست داں مریض (ڈاکٹر سے) ”ڈاکٹر جی! جب میں تقریر کرتا ہوں تو میری زبان تالو سے چمٹ جاتی ہے اور ہونٹ کانپنے لگتے ہیں۔“

ڈاکٹر۔ ”یہ تو کوئی بیماری نہیں جھوٹ بولتے وقت ہمیشہ ایسے ہی ہوتا ہے۔“

مرسلہ ...... جنید اختر، کراچی

○ .... ○ .... ○

دو بے وقوف عجائب گھر گئے۔ وہاں انہوں نے شیشے کے بکس میں ڈھانچہ دیکھا جس پر لکھا تھا ”۱۵۵۷ ق م (قبل مسیح) یہ دیکھ کر ایک بے وقوف بولا۔ ”لگتا ہے جیسے یہ بے چارہ ٹرک کے نیچے آکر مرا ہے۔“ دوسرے نے جواب دیا۔ ”ہاں! اسی لئے تو ٹرک کا نمبر بھی لکھ دیا گیا

شاگرد نے سوچ کر جواب دیا۔

مرسلہ..... افشاں بشیر کراچی

○ ..... ○ ..... ○

ایک لڑکا ایک تاجر کی بوری سے چاول نکال کر اپنی بوری میں بھر رہا تھا۔ تاجر یہ دیکھ کر لڑکے کے باپ سے بولا "دیکھئے! آپکا بیٹا میری بوری سے چاول نکال کر اپنی بوری میں بھر رہا ہے۔" باپ نے جواب دیا۔ "یہ پاگل ہے!" تاجر نے کہا "اگر یہ پاگل ہے تو اپنی بوری میں سے نکال کر میری بوری میں کیوں نہیں بھر رہا۔" لڑکے کے باپ نے کہا۔ "اب اتنا پاگل بھی نہیں ہے۔"

مرسلہ..... سید عدنان کاکاخیل، اسلام آباد۔

○ ..... ○ ..... ○

ایک آدمی دوسرے آدمی سے: "سال میں کتنے موسم ہوتے ہیں؟"

دوسرا آدمی: "چار۔"

پہلا آدمی: "کون کون سے؟"

دوسرا آدمی: "الیکشن، ہڑتال، میچ اور امتحانات۔"

مرسلہ..... سید سفیان کاکاخیل، اسلام آباد۔

○ ..... ○ ..... ○

ایک آدمی نے مولوی صاحب سے پوچھا "ریل میں سفر کر رہے ہوں تو نماز کس طرف منہ کر کے پڑھنی چاہئے۔"

جواب ملا "جس طرف تمہارا سامان رکھا ہو۔"

مرسلہ..... سید عدنان کاکاخیل، اسلام آباد

○ ..... ○ ..... ○

احمد ارشد سے: "یار مجھے لگتا ہے کہ میری بے خوابی بڑھتی جارہی ہے۔"

ارشد: "تمہیں یہ احساس کیسے ہوا؟"

احمد: "کل کلاس میں میری دو مرتبہ آنکھ کھلی

تھی۔"

مرسلہ..... عمیر خان، کراچی

○ ..... ○ ..... ○

(ایک روسی ایک پاکستانی سے) "اگر آپ ہماری ملک کی ٹرینوں پر بیٹھیں گے صبح سے شام ہو جائے گی پھر دوسری صبح ہو جائے گی اس طرح آپ کو ۵ دن لگ جائیں گے لیکن..... ہمارا ملک ختم نہیں ہو گا"۔

پاکستانی: "اچھا اس کا مطلب ہے ست رفتار ٹرینیں ہمارے ملک میں ہی نہیں آپ کے ملک میں بھی چلتی ہیں۔"

سید حسن رضا شاہ، ماڈل ٹاؤن، ڈیرہ غازی خان

○ ..... ○ ..... ○

ڈاکٹر (مریض کو نسخہ دیتے ہوئے) "دو چمچے صبح دو چمچے دوپہر اور دو چمچے رات کو لیں۔"

مریض..... "جناب! کوئی اور دوا دیں میں غریب آدمی ہوں میرے گھر میں اتنے چمچے نہیں۔"

مرسلہ..... سید حسن رضا شاہ، ڈیرہ غازی خان

ایک وزیر پاگل خانے کا دورہ کر رہا تھا۔ اسے گھر ٹیلیفون کرنا تھا چنانچہ اس نے پاگل خانے سے اپنے گھر ٹیلی فون ملانے کے لئے آپریٹر کو کئی بار کہا مگر آپریٹر ہر بار کہتا کہ نمبر مصروف ہے۔ آخر وزیر نے جھنجھلا کر آپریٹر سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے میں کون بول رہا ہوں؟"

"جی نہیں! لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔" آپریٹر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

مرسلہ..... تنویر احمد، کراچی۔

○ ..... ○ ..... ○

امی: "منے! ابھی تک چھت پر کھڑے کیا کر رہے ہو جلدی سے کوڑا پھینک کر آؤ۔"

منا: "امی! آپ نے ہی تو کہا تھا کہ آدمی دیکھ کر پھینکنا، اتنی دیر سے کوڑا اٹھائے کھڑا ہوں کوئی آدمی ہی نہیں گزر رہا۔"

مرسلہ..... نازش اختر، کراچی۔

○ ..... ○ ..... ○

ایک دوست (دوسرے دوست سے) "یار! میں جلد ہی جانوروں کی دکان کھولنے والا ہوں اگلی دفعہ جب تم آؤ گے تو مجھے جانوروں میں بیٹھا پاؤ گے۔"

دوست: "اللہ تمہیں جانوروں کے کام میں ترقی دے لیکن جب میں دکان پر آؤں گا تو تمہیں پہچانوں گا کیسے؟"

مرسلہ..... عبدالماجد، حیدر آباد

○ ..... ○ ..... ○

ایک کنجوس (اپنے دوست کو نیا مکان دکھاتے ہوئے) "یہ ڈرائنگ روم ہے، یہ کھانے کا کمرہ ہے وہ سامنے دو سونے کے کمرے ہیں اور یہ کمرہ ..... موسیقی کا کمرہ ہے۔"

دوست (حیرانی سے کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے) "یہ کیسا موسیقی کا کمرہ ہے نہ تو اس میں کوئی ساز ہے نہ ریڈیو نہ ٹیپ ریکارڈ پھر یہ موسیقی کا کمرہ کیسے ہو گیا؟"

کنجوس (مسکراتے ہوئے) "ارے سازوں کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اس کمرے میں بیٹھ کر پڑوسیوں کا ریڈیو بخوبی سن لیتے ہیں۔"

مرسلہ..... دانش صدیق، کراچی۔

جائیے آپ سے ہم نہیں بولتے

عبدالقادر

اس بچے کی فریاد جو دولت مند باپ کے جیتے جی یتیم ہو گیا

جائیے آپ سے ہم نہیں بولتے
منہ پہ تالا لگا ہے، نہیں کھولتے

آپ سے ہم نے کر لی ہے کٹّی جناب
ہو گیا آج اپنا برابر حساب

رہ بھی سکتا نہیں آج میں بن کہے
دل پہ صدمات میں نے ہزاروں سہے

آپ دولت کمانے میں مصروف ہیں
شہر میں کس قدر آپ معروف ہیں

ایک لمحہ مرے پاس رہتے نہیں
بات میٹھی کوئی مجھ سے کرتے نہیں

سیر کرنے کہیں لے کے جاتے نہیں
مجھ کو اپنے گلے سے لگاتے نہیں

کیسے ابّو ہیں جو مُسکراتے نہیں
مجھ کو اک آنکھ بھی آپ بھاتے نہیں

ایک ابّو ہیں ریحان و عرفان کے
ایک ابّو ہیں ننھے سے عمران کے

ناز دونوں اُٹھاتے ہیں اولاد کے
سو کھلونے خریدے ہیں فولاد کے

اپنے بچّوں کو میلہ دکھاتے ہیں وہ
گود میں روز ان کو بٹھاتے ہیں وہ

میرے ابّو بنے ہیں یہ عبد السّلام!!!
مجھ سے کرتے نہیں جو ذرا بھی کلام

آپ کو کس طرح اپنا ابّو کہوں؟
بے رُخی کے یہ صدمات کب تک سہوں؟

میری امّی بھی ہر وقت رہتی ہیں دور
مجھ سے محبوب تر ہیں سماجی اُمور

پل رہا ہوں میں آیا کی آغوش میں
آپ دونوں رہے خوابِ خرگوش میں

زندگی میں بنایا ہے مجھ کو یتیم
رحم فرمائے مجھ پر خدائے رحیم

دل مرا آپ یوں ہی مسلتے رہے
پھول اپنے چمن کا کُچلتے رہے

چند لمحے مجھے بھی عطا کیجئے
میرا دل اپنی مُٹھی میں لے لیجئے

پیارے ابّو کرم آپ فرمائیے
دور رہ کر مجھے یوں نہ تڑپائیے

مجھ کو اپنے گلے سے لگا لیجئے
پیار سے پیاس دل کی بُجھا دیجئے

مشال بابا کا مسئلہ

عابد سلطان

شام کو نماز پڑھ کر میں واپس گھر آرہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔ مڑ کر دیکھا تو خاکی کپڑوں میں ملبوس مشال خان بابا میری طرف تیز تیز قدموں سے آرہا تھا۔ مشال خان بابا ہمارے گاؤں کا ڈاکیہ ہے۔ بہت زندہ دل اور خوش مزاج انسان ہے۔ میں جب بچہ تھا تب بھی مشال خان بابا گاؤں کا ڈاکیہ تھا۔ اور تب بھی ایسے ہی سفید داڑھی تھی اس کے منہ پر۔ میں جب اس سے بات کرتا تو وہ مسکرا کر کہتا۔ "بیٹا تم اور تمہارے ابا تو میرے سامنے پلے بڑھے ہو۔ خدا بخشے تمہارے دادا کو جب دہلی میں انگریزوں کے زمانے میں نوکری ملی تھی تو نوکری کا پروانہ میں ہی لے کر ان کے پاس گیا تھا اور انہوں نے حجرے میں بٹھا کر زبردست قسم کی چائے، انڈے اور پراٹھے سے تواضع کی تھی میری"۔

مشال خان بابا خدا جانے کب سے اس گاؤں کا ڈاکیہ تھا۔ وہ گاؤں کے سبھی لوگوں کو نام سے جانتا تھا۔ ہر بڑے اور بوڑھے سے مذاق کرتا تھا اور بچوں کے درمیان تو بالکل بچہ بن جاتا تھا۔ سارے گاؤں کے لوگ اس کی عزت کرتے تھے اور اس

سے محبت کرتے تھے۔ میں اس کی خوش مزاجی، محنت، ایمانداری اور سادگی سے بہت متاثر تھا اور اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ بھی مجھے اپنے بیٹے کی طرح سمجھتا تھا۔

اس شام جب وہ میری طرف آرہا تھا تو خلافِ معمول اس کی چال میں تھکن سی تھی۔ اپنی عادت کے مطابق اس نے دور ہی سے نہ کوئی دلچسپ تازہ واقعہ بیان کرنا شروع کیا اور نہ کوئی مذاق کیا۔ جب وہ قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ اسکے چہرے پر فکر اور پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

اسے یوں پریشان دیکھ کر میں نے سلام کر کے پوچھا، "کہو بابا، خیر تو ہے؟ بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہو؟"

میرے سلام کا جواب دے کر مشال خان بابا بولا "بیٹے، چلو حجرے میں چل کر ذرا چائے پلاؤ۔ وہیں بات کریں گے۔ خدا میری عزّت بچائے۔"

میں نے ساری زندگی میں مشال خان بابا کو کبھی اتنا فکر مند نہیں دیکھا تھا۔ اس کا شفیق چہرہ ہر وقت ہنستا مسکراتا ہی رہتا۔ آج اس کی حالت بدلی ہوئی دیکھ کر میں بھی بہت فکر مند ہوا۔ حجرے میں توت کے درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے مشال خان بابا نے اپنی پریشانی کا سبب یوں بیان کیا۔ "بیٹا، میری ساری عمر کی کمائی صرف میری نیک نامی اور عزّت ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ ڈاکیے کی زندگی ایک ہی جگہ پر گزرتی ہے۔ پس کامیاب ڈاکیہ وہی ہے جو اپنے علاقے اور لوگوں میں عزّت اور نیک نام پائے۔ مجھے خدا کے فضل و کرم سے یہ دونوں حاصل ہیں۔ اور میرے لئے یہ دنیا جہان کی دولت سے زیادہ قیمتی ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ ذرا دیر کے لئے خاموش ہوا اور چائے کی چُسکیاں لیتا رہا۔ پھر بولا "بیٹا، آج میری زندگی کا بدترین دن ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید آج میں گاؤں والوں کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ میری ساری عمر کی نیک نامی خاک میں مل جائے گی۔ اگر اس مسئلے کا کوئی حل نہ نکلا تو شاید میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ گاؤں ہی چھوڑ دوں۔"

"لیکن بابا آخر مسئلہ ہے کیا؟ اور پھر ہمارے ہوتے ہوئے آپ گاؤں کیسے چھوڑیں گے؟ یہ آپ ہی کا گاؤں ہے۔" میں نے بے چینی سے کہا۔

"بیٹا! بات یہ ہے کہ کل جب میں شہر سے ڈاک لا رہا تھا تو کوئی تانگہ نہیں مل رہا تھا۔ چونکہ موسم ذرا اچھا تھا اس لئے میں جنگل والے راستے پر پیدل ہی گاؤں آنے لگا۔ جب میٹھے پانی کے چشمے کے پاس پہنچا تو ستانے کے لئے چشمے کے کنارے ہی ذرا دیر کے لئے لیٹ گیا، خدا جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ جاگ کر سرہانے دیکھا تو پیروں تلے زمین نکل گئی۔ ڈاک کی تھیلی غائب تھی۔ سوتے میں کوئی بدبخت ڈاک کی تھیلی چوری کر کے لے گیا۔ آج کی ڈاک میں خطوں اور چھوٹے موٹے منی آڈرز کے علاوہ پنشن کے بارہ ہزار روپے بھی

تھے۔ بارہ ہزار روپے ..... بیٹا! میں برباد ہو گیا۔ اب گاؤں والے میری بات کا یقین کر تو لیں گے لیکن پھر بھی بہت سارے یہ بھی سوچیں گے کہ مشال خان نے آخری عمر میں چوری کی اور اب جھوٹ موٹ کی کہانیاں سنا کر گاؤں والوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔" اس نے دُکھ بھری آواز میں واقعہ سنایا۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

اسکول کے صحن میں بچے علامہ اقبالؒ کی "دعا" پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے معصوم چہروں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ آج میں انہیں اس نظم کی عملی تفسیر سکھاؤں گا۔ وہ گا رہے تھے۔

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

کاکا مشال خان درد مند بھی تھا، ضعیف بھی اور غریب بھی۔ بارہ ہزار روپے اس بے چارے کے پاس کہاں۔ میں نے کل اسے حوصلہ اور امید دلا کر واپس کر دیا تھا اور رات کو خوب غور کر کے میں نے ایک ایسا منصوبہ بنایا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو جائے تو مشال خان بابا کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور میں اپنے شاگردوں کو ایک بہترین سبق بھی دے سکوں گا۔

دعا اور ترانہ ختم ہوا۔ لڑکے اپنے اپنے کمروں کو چل دیئے۔ میں بھی رجسٹر لے کر جماعت ہشتم میں پہنچا۔ حاضری کے بعد جب لڑکے کتابیں کھولنے لگے تو میں نے کہا۔ "آج ہم کتابی سبق کے بجائے ایک عملی سبق پڑھیں گے۔ آج میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ کم عمر ہی سہی لیکن اگر آپ میں جذبہ ہو تو آپ بڑے سے بڑا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور کسی نیک انسان کی عزت بچانا اور اس کی مشکل دور کرنے سے بڑا کام کیا ہو گا۔" سب لڑکے حیرت سے یہ غیر متوقع تقریر سن رہے تھے لیکن ان کے سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر بات جاری رکھی "آج ہم مل کر ایک بڑا کام کریں گے اور دیکھیں گے کہ نیک کام کرنے میں کیسی لذت ہوتی ہے، کیا آپ لوگ میرا ساتھ دیں گے اس نیک کام میں؟"

سب لڑکے بیک آواز بولے۔ "جی ہاں جناب!" اور پھر چند لڑکوں نے پوچھا۔

"لیکن جناب ہم سمجھے نہیں بات کیا ہے، ہمیں کون سا بڑا کام کرنا ہو گا؟"

میں نے مختصر الفاظ میں مشال خان بابا کا مسئلہ بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ "اب پنشن کی گمشدہ رقم حکومت مشال خان بابا ہی سے وصول کرے گی۔ اس غریب کے پاس اتنی رقم کہاں؟ ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں اسے اس ضعیف العمری میں جیل بھی ہو سکتی ہے۔ اب ہمیں کسی طریقے سے بارہ ہزار روپے کی رقم مہیا کرنی ہے، مجھے اور آپ سب کو مل کر۔" سب لڑکے بہت دلچسپی سے میری بات سن رہے تھے۔ پھر اتنی بڑی رقم کا سن کر

ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ میں نے کہا، "میں جانتا ہوں کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ یہی نا کہ اتنی بڑی رقم ہم کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ تو سنیں یہ کام اتنا مشکل بھی نہیں۔ بس ذرا حوصلے اور جذبے کی ضرورت ہے۔ میرے ذہن میں اس کے لئے ایک منصوبہ ہے۔ آپ کی کلاس میں کتنے لڑکے ہیں...... تیس...... اچھا، جماعت ہشتم کے دو سیکشن اور ملالیں۔ اسی طرح جماعت ششم، ہفتم، نہم اور دہم کے بھی دو دو اور تین تین سیکشن بھی شامل کر لیں میرا خیال ہے کہ کل ملا کر پانچ سو کے قریب لڑکے ہو جائیں گے۔ اب آپ دیکھیں گے کہ جو کام ہم میں سے کسی ایک کے لئے یا پھر ہماری ساری جماعت کے لئے مل کر کرنا مشکل نظر آرہا تھا اگر اسی کام کو ہم پانچ سو افراد مل کریں گے تو بہت آسان ہو جائے گا۔"

"لیکن جناب کیسے؟ ہم کیا کریں گے؟"

جماعت کا مانیٹر عثمان بول پڑا۔

"ہم چندہ کریں گے۔ لیکن بڑوں سے نہیں، میں اگر چاہتا تو گاؤں کے چند مالدار بزرگوں سے بات کر کے یہ رقم پوری کر سکتا تھا لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ کام آپ بچے ہی کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چودہ اگست کے تقریری مقابلوں میں اوّل آنے پر پولیٹکل ایجنٹ صاحب نے جو دو ہزار روپے کی رقم آپ کی جماعت کی ٹیم کو انعام کے طور پر دی تھی وہ ہم اس نئے مقصد کے لئے وقف کر دیں گے۔ کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟"

دلچسپ و عجیب

برف کا محل: ۱۹۴۵ء میں روس کے ایک بادشاہ نے برفانی علاقے میں ایک برف کا محل تعمیر کروایا تھا۔ اس محل کو برف کی سلیں کاٹ کر بنوایا گیا تھا۔ اس کی تعمیر میں صرف برف اور لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

جوتوں کی راکھ: ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے۔ یارک شائر میں ایک کسان کا لڑکا ٹام پارکن اپنے کمرے میں کھڑا تھا کہ بجلی چمکی اور چمنی کے راستے اندر گری۔ لڑکے کو ذرا بھی خراش نہ آئی جب کہ اس کے جوتے راکھ بن گئے۔ اب یہ راکھ مقامی عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے۔

الیکشن: ۱۹۳۸ء میں واشنگٹن سے ڈیموکریٹک پارٹی کے میئر نے ری پبلکن پارٹی کی طرف سے ٹٹو کھڑا کیا محض یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ووٹر ووٹ دیتا ہے امیدوار کی قابلیت نہیں دیکھتا۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے ٹٹو اکیاون ووٹوں سے جیت گیا۔ امیدوار نے دستخط کے طور پر اپنے کھر کا نشان ثبت کیا تھا۔

موت کا ڈرامہ: لبنان کے شہر بیروت کے قصبے میں ایک شخص کو گرفتار کیا گیا جو کہ کچھ عرصہ قبل مر گیا تھا اور اسے دفن بھی کر دیا گیا تھا۔ بیروت کے شیلانامی قصبے میں عباس حلیم نامی شخص نے اپنی موت کا ڈرامہ رچایا تھا۔ دفن ہونے کے ایک گھنٹہ کے بعد وہ قبر سے نکلا اور دوسرے قصبے میں چلا گیا۔ حلیم نے پولیس کو بتایا کہ اس نے "مرنے" کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ وہ اپنے قرضے ادا نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن تحقیقات کرنے کے نتیجے میں ثابت ہو گیا کہ وہ کافی امیر آدمی ہے اور لوگوں کی رقم ہڑپ کرنے کے لئے اس نے یہ ڈرامہ رچایا تھا۔

مرسلہ: محمد حسنین، ڈیرہ اسماعیل خان

سارے لڑکے خوش ہو کر بولے۔ "بالکل ٹھیک ہے جناب، اب باقی دس ہزار کہاں سے آئیں گے؟"

"باقی بھی آجائیں گے لیکن آپ لوگوں کو تھوڑی سی قربانی دینا ہوگی۔ آپ سب کو روزانہ جیب خرچہ ملتا ہے۔ کسی کو دو روپے، کسی کو پانچ روپے، کسی کو دس روپے، آپ لوگ اس سے فضول قسم کی ٹافیاں اور گندے بسکٹ اور سموسے اور پتہ نہیں کیا الا بلا لے کر اپنا معدہ اور دانت خراب کرتے رہتے ہیں۔ یوں کرنا ہوگا کہ زیادہ نہیں، صرف تین دن آپ سب کو اپنا جیب خرچ اپنی جماعت کے مانیٹر کے پاس جمع کرنا ہوگا۔ تین دن الم غلم چیزیں نہ کھانے سے آپ کی صحت کو نقصان کی بجائے فائدہ ہی ہوگا اور دوسری طرف چندہ بھی جمع ہوگا۔ جس طرح بڑے روزہ رکھتے ہیں ناتیس دن، اسی طرح آپ لوگ بھی صرف تین دن روزہ رکھ لیں اور وہ بھی صرف بریک میں..... منظور ہے آپ کو؟" میرے پوچھنے پر سب لڑکوں نے بہت پر جوش انداز میں میری بات کی تائید کی۔ وہ سب بہت خوش اور پرجوش نظر آرہے تھے۔

میں نے باقی جماعتوں میں بھی اپنے پیریڈ میں اور بعض دفعہ دوسرے اساتذہ کی اجازت سے ان کے پیریڈ میں جا کر مشال خان بابا کا مسئلہ اور اپنا منصوبہ بیان کیا۔ ہر جماعت نے ویسے ہی جوش اور دلچسپی کا اظہار کیا۔ دراصل ان سب کو مشال خان بابا سے بہت محبت تھی اور بچے تو ویسے بھی ہر کسی کے کام آکر خوش ہوتے ہیں۔ مشال خان بابا تو پھر بھی ان کا پیارا "مشالے بابا" تھا۔ چنانچہ اس دن چندہ شروع ہوا اور چھٹی سے قبل ہر جماعت کا مانیٹر میرے پاس آیا اور بتایا کہ اتنی اتنی رقم جمع ہوئی ہے۔ ہر ایک قدرے شرمندہ سا تھا کیونکہ ان کے خیال میں رقم ہمارے ہدف سے بہت کم تھی لیکن میں انہیں حوصلہ دلاتا کہ ابھی دو دن میں اتنی ہی رقم اور جمع ہوگی اور یہ تو صرف ایک جماعت کے ایک سیکشن کا چندہ ہے۔ ایسے ہی آٹھ نو اور جماعتیں بھی لیں۔ چندہ ہر ایک جماعت کے مانیٹر کے پاس جمع ہوا۔

تین دن کے بعد ہر جماعت کا مانیٹر جب مجھے رقم حوالہ کر رہا تھا تو شرمندہ اور افسردہ سا ہو کر، کیونکہ ان کے خیال میں رقم اب بھی بہت کم تھی اور مشال خان بابا کا مسئلہ اس رقم سے حل ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ میں ان کی سادہ دلی اور نیک دلی پر مسکراتا رہا۔ بعض نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ اس جیب خرچ کی قربانی کے سلسلے کو ابھی چند روز اور بھی جاری رکھا جائے لیکن میں نے ساری جماعتوں کے مانیٹروں کو جمع کر کے اپنا فیصلہ سنا دیا "آپ لوگوں نے میری توقع سے بہت بڑھ کر قربانی دی ہے اور اپنی عمر سے بڑھ کر کام آپ نے کیا ہے۔ مزید چندہ نہیں ہوگا۔ اب سب مانیٹرز اپنی جماعت کا کل چندہ لے آئیں اور مجھے بتائیں کہ ساری جماعتوں کا چندہ ملا کر کتنا بنتا ہے؟" سارے مانیٹر آگے بڑھے اور ایک دوسرے کی

طرف دیکھتے ہوئے اپنا اپنا چندہ میز پر رکھ دیا۔ اور پھر ساری رقم کا حساب کیا گیا تو پتہ چلا کہ کل رقم کچھ اوپر آٹھ ہزار روپے بنتی ہے جب کہ ہمارا ہدف بارہ ہزار کا تھا۔ یعنی اب بھی چار ہزار روپے کی کمی ہے۔

"سنو! مجھے تم سب پر فخر ہے کہ تم کو جو مشن میں نے دیا تھا اسے تم نے اتنی جلدی بخوبی پورا کر دیا۔ کتنے فخر کی بات ہے۔ آج میں بہت خوش ہوں۔" میں ابھی بات کر رہا تھا کہ الیاس بول پڑا، "لیکن جناب ابھی چار ہزار روپے باقی ہیں۔" طارق بولا۔ "مشن کیسے بخوبی پورا ہوا سر، ابھی تو چندہ جاری رکھنا چاہئے۔" پھر بہت سارے لڑکے بولنے اور تجاویز پیش کرنے لگے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کر دیا اور کہا، "مزید چندہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم سب بادام کھایا کرو تا کہ تمہاری یادداشت ٹھکانے آئے۔ تم سب بھول گئے کہ پولیٹکل ایجنٹ صاحب کی دی ہوئی انعام کی رقم بھی تو ہمارے پاس ہے۔ آٹھ ہزار چندہ ہوا۔ دو ہزار انعام کی رقم ملا کر دس ہزار بن گئے اب باقی رہتے ہیں دو ہزار روپے ...... تو بات یہ ہے کہ مجھے کل تنخواہ ملی تھی۔ دو ہزار روپے۔ وہ میری طرف سے چندہ۔" یہ کہہ کر میں نے دو ہزار روپے کی رقم میز پر باقی روپوں کے ساتھ رکھ دی اور کہا "آج ہم سب کو بہت خوش ہونا چاہئے۔ نیکی ابھی باقی ہے۔ بڑوں میں نہ سہی چھوٹوں میں سہی۔ اور یہ محض ایک واقعہ ہی نہیں ایک سبق ہے۔ بہت اہم سبق۔ اگر بہت سارے لوگ مل کر کوئی نیک کام کرنا چاہیں تو کوئی رُکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ مجھے تم سب پر فخر ہے۔ کل جمعہ ہے۔ نماز جمعہ کے بعد تم میں سے تین لڑکے یہ رقم لے کر مشال خان بابا کو دے آنا۔ تم دیکھو گے کہ وہ کتنا خوش ہو گا اور تمہیں کتنی دعائیں دے گا"۔ سب لڑکے بہت دلچسپی، خوشی اور جذبے کے ساتھ میری باتیں سن رہے تھے۔ انکے چہرں پر وہی معصوم خوشی اور سکون کے تاثرات تھے جو نیکی کر کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔

گھومنے والا درخت

افریقی گاؤں باکی میں پایا جانے والا درخت طوفان آنے پر ہوا کے ساتھ مسلسل گھومتا رہتا ہے لیکن زمین پر نہیں گرتا۔

سب سے کم عرصہ کھلنے والا پھول

دنیا میں سب سے کم عرصے کے لئے کھلنے والا پھول ایمزن کانوٹس ہے۔ یہ صرف آدھے گھنٹے میں کھل کر مرجھا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ عرصے تک کھلا رہنے والا پھول

سب سے زیادہ عرصے تک کھلا رہنے والا پھول استوائی آرچڈ ہے۔ یہ ۸۰ دنوں تک کھلا رہتا ہے۔

مرسلہ یاسر بن نثار، راولپنڈی

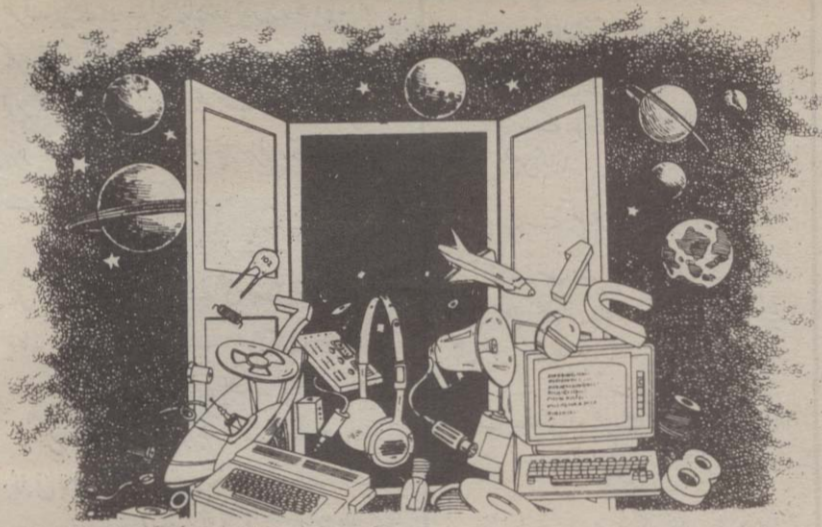

دلچسپ

سائنسی موضوعات پر سوال و جواب کا سلسلہ

ایاز محمود

سوال: کیا دوسرے سیارے بھی زمین کی طرح ہوتے ہیں؟ محمد عمر قریشی، اسلام آباد۔

جواب: آپ نے دیگر سیاروں کے بارے میں پوچھا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے نظامِ شمسی کے سیاروں کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ ان کی ساخت کیسی ہے؟ فضا موجود ہے کہ نہیں، پانی کا کیا انتظام ہے اور ان میں زندگی موجود ہے کہ نہیں۔ اور اگر ہے تو کس شکل میں ہے۔ تو بھائی! واقعہ یہ ہے کہ تمام سیاروں کی کیفیت جُدا جُدا ہے۔ ان میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ سورج کے گرد اپنے اپنے محور میں ایک مخصوص رفتار سے چکر کاٹ رہے ہیں۔ اب باری باری تمام سیاروں کا حال سمجھیں۔

عطارد۔ یہ سورج کے قریب ترین ہے۔اس کا قطر تقریباً تین ہزار میل ہے اور یوں یہ سب سے چھوٹا سیارہ ہے۔اس کا ایک رخ نہایت گرم اور دوسرا نہایت سرد ہے۔ یہاں فضا نہیں، لہٰذا زندگی کا کوئی امکان نہیں۔

زہرہ۔ اس کا قطر تقریباً زمین کے برابر ہے۔ اس کی سطح گہرے بادلوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ یہاں فضا ۹۸ فیصد کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل ہے۔یہ بے حد گرم سیارہ ہے کیوں کہ گہرے بادل اس کی حرارت کو باہر نہیں نکلنے دیتے۔

مریخ۔ اس کا قطر زمین کے مقابلے میں آدھا ہے اس کی سطح بے جان اور بنجر ہے اور یہاں زندگی

کے پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

مشتری۔ نظامِ شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے۔ ہماری زمین کے مقابلے میں تیرہ سو گنا بڑا ہے۔ اس کی سطح پر امونیا اور میتھین گیس کے بادل ہیں۔ یہاں پر بھی زندگی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

زحل۔ اس کا جسم بھی گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ بادل بھی امونیا اور میتھین گیس کے بنے ہیں۔

یورینس، نیپچون، پلوٹو۔ یہ تینوں سیارے سورج سے بہت زیادہ فاصلے پر ہیں اور اسی لحاظ سے بے حد سرد۔ ان سیاروں کے بارے میں بھی یقین ہے کہ یہاں زندگی کسی بھی شکل میں موجود نہیں۔

غرض یہ کہ ہماری زمین ہی نظامِ شمسی کا وہ سیارہ ہے جہاں آکسیجن بھی ہے اور پانی بھی اور وہ تمام لوازمات جو زندگی کو برقرار رکھنے اور اسے پھلنے پھولنے میں مدد دیتے ہیں ہمارا اور آپ کا یہ فرض ہے کہ زندگی بخشنے والے اس ماحول کو ہر قیمت پر برقرار رکھیں اور اسے آلودگی سے بچائیں۔ آخر یہ دنیا ہم سب کا مشترکہ گھر ہی تو ہے۔

سوال: نیون سائن بورڈ کس گیس سے کیسے روشن ہوتے ہیں؟ پرنس افضل شاہین، بہاولنگر۔

جواب: پرنس صاحب، آپ نے آدھے سوال کا جواب خود ہی دے دیا۔ یہ سائن بورڈ نیون گیس کی بدولت روشن ہوتے ہیں اور اسی لئے انہیں نیون سائن بورڈ کہا جاتا ہے۔ اب کچھ نیون گیس کا ذکر ہو جائے۔ یہ ایک بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ گیس ہے جو فضا میں قدرتی طور پر بکثرت پائی جاتی ہے۔ اس کی دریافت کا سہرا دو برطانوی سائنس دانوں سر ولیم رامسے اور ایم، ڈبلیو ٹریورس کے سر ہے، جنہوں نے اسے ۱۸۹۸ء میں دریافت کیا۔ اس گیس کی خصوصیت یہ ہے کہ عام طور پر کیمیاوی ردِعمل کسی پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

۱۸۵۰ء میں جرمنی کے رہنے والے ماہرِ طبیعات ہینرچ گیسلر نے اس عمل کا مظاہرہ کیا کہ اگر بجلی کو اس گیس میں خارج کیا جائے تو نہایت دلکش روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اس دریافت کے بعد صنعتِ تشہیر میں اس گیس کی اہمیت کو محسوس کیا گیا اور ترقی یافتہ ممالک میں اشتہار بازی کے لئے اس کا استعمال بہت مقبول ہو گیا۔ نیون گیس برقی رو کے لئے بہت اچھا موصل ہے اور اس کے دیگر گیسوں نیز پارے کے بخارات کے ملاپ سے بہت سے دلکش رنگ حاصل کئے جا سکتے ہیں نیون سائن بنانے والے شیشے کی نلکی میں گیس کو بھر دیتے ہیں اور اس میں برقی رو کے اخراج سے شیشے کی نلکی روشن ہو جاتی ہے۔ شیشے کی نلکی کو حسبِ ضرورت اور خواہش کے حساب سے ڈھال کے مختلف ڈیزائن اور عبارات وغیرہ لکھی جا سکتی ہیں جو کہ رات کے وقت بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔

سوال: زمین پر پانی کہاں سے آیا؟ عبدالاحد قریشی۔ چترپڑی، آزاد کشمیر۔

جواب: ہماری زمین جب وجود میں آئی تو یہ پگھلے

ہوئے مادے پر مشتمل تھی۔ لہٰذا سخت گرم تھی اور اس وجہ سے یہاں پانی کے موجود ہونے کا سوال ہی نہیں تھا، چوں کہ پانی تو سو سینٹی گریڈ پر بھاپ میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ زمین ٹھنڈی ہوتی گئی اور اس کی اوپری سطح ٹھوس مادے میں تبدیل ہو گئی۔ زمین کے ٹھنڈا ہونے کے نتیجے میں تمام بھاپ، بادل اور آبی بخارات وغیرہ جو زمین کی کششِ ثقل کی وجہ سے زمین کے اوپر معلق تھے، بارش کی شکل میں برس پڑے۔ بارشوں کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا اور زمین کے نشیبی علاقے پانی سے بھرنے لگے۔ یوں تالاب جھیلیں اور سمندر وغیرہ وجود میں آئے۔ کہا جاتا ہے کہ کرۂ ارض پر سب سے پہلے زندگی پانی ہی میں وجود میں آئی اور پھر مختلف مدارج میں ترقی کرتے کرتے خشکی پر بھی زندگی کا آغاز ہوا۔

سوال: آرا مچھلی کے بارے میں تفصیل سے بتائیں؟
فردوس اختر قائم خانی، خیرپور میرس۔

جواب: آرا مچھلی سمندری مخلوق ہے اسے آرا مچھلی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے منہ کا اگلا حصہ ایک لمبے خنجر کے پھل کی مانند ہوتا ہے لیکن اس میں دونوں طرف دھار نہیں ہوتی بلکہ آری کے دندانوں کی طرح کی بناوٹ ہوتی ہے۔ یہ آرا مچھلی کے لئے ایک طرح کا ہتھیار ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ دوسری مچھلیوں کا شکار کرتی ہے۔ سمندر میں مختلف اقسام کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ مچھلیوں کی بعض اقسام ایک غول کی صورت میں رہتی ہیں۔ اس غول کو انگریزی زبان میں اسکول کہا جاتا ہے۔ اب آپ کہیں مچھلیوں کے اسکول کا ذکر سنیں یا پڑھیں تو سمجھ لیجئے گا کہ اس سے مراد مچھلیوں کے غول سے ہے۔ خیر یہ ذکر تو ضمناً آ گیا۔ کہنا یہ تھا کہ آرا مچھلی، مچھلیوں کے غول میں اپنے آرے کو تلوار کی طرح استعمال کرتے ہوئے شکار کرتی ہے۔ بالغ مچھلی کے آرے کی لمبائی کتنی ہوتی ہے؟ ایک فٹ؟ دو فٹ؟ نہیں بھئی! پورے چار فٹ۔ اور اس آرے کی مدد سے آرا مچھلی ریت کھودنے کا کام بھی لیتی ہے۔

سوال: موچ آنا کسے کہتے ہیں؟ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ پیر وغیرہ مُڑنے سے موچ آ جاتی ہے اس میں ہڈی تو نہیں ٹوٹتی مگر خاصے دنوں تکلیف رہتی ہے۔ فرقان اللہ، ملیر، کراچی۔

جواب: ہڈی کو خاص قسم کے پٹھے لیک طرح سے باندھ جکڑ کر رکھتے ہیں یہ پٹھے پٹیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ آپ نے جیسے کہا ہے پیر مُڑ جاتا ہے اور موچ آ جاتی ہے تو بھائی اس میں ہوتا یہ ہے کہ اگر پیر اس طرح سے مُڑ جائے کہ پٹھوں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ پڑ جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ پٹھے پھٹ جاتے ہیں اور متاثرہ جگہ پر سخت تکلیف کے ساتھ ساتھ سوجن بھی ہو جاتی ہے۔ موچ اگر معمولی نوعیت کی ہو تو چند ایک دن آرام کے بعد ٹھیک ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کی نوعیت شدید ہو تو ڈاکٹر سے مشورہ ضروری ہے تاکہ باقاعدہ علاج ہو سکے۔

○ ..... ○

سانپ کندھے پر اِدھر لوٹ گیا

ہم اژدر سے کھیل رہے ہیں یا اژدر ہم سے کھیل رہا ہے۔

دیوقامت اژدھے کو قابو کرنے کا ایک منظر۔

وہ جگہ جہاں سے اژدھے کو کھینچ کر باہر نکالا گیا

ہر رات اژدھے کی پھنکار سے ہماری نیند ٹوٹ جاتی تھی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ لیکن یہ آواز تھی خوفناک۔

اس وقت تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے گھر کے نیچے اژدھے نے اپنا گھر بنا لیا ہے۔ نہ جانے کب، کس لمحے اس نے اپنے رہنے کے لیے اس جگہ کو چُنا تھا۔ اور جب ہمیں اس کا پتا چلا پھر تو ہم پوچھیے خوف سے ہمارا کیا حال تھا۔ ریسکیو والوں کو ہم نے اطلاع دی۔ مکان کے نیچے سے گڑھا کھود کر اندر داخل ہونے کا راستہ بنایا گیا۔ بلاشبہ وہ انتہائی لمبا اور وزنی اژدھا تھا۔ لیکن بے ضرر۔ اور یہی بات ہمارے لیے اطمینان کا باعث تھی۔ ایک لمبے ڈنڈے کی مدد سے جس کے سرے پر لوہے کا پھندا لگا تھا، اژدھے کو قابو کیا گیا۔ پھندے میں جب اس کا سر پھنس گیا تو پھر اسے قابو کرنا آسان ہی تھا۔ اور جب اژدھے کو کھینچ تان کر اور گھسیٹ کر باہر لایا گیا تو دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اور پھر تو وہ سب کی تفریح اور تماشے کا باعث بن گیا۔ ان تصویروں میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کوئی بھی خوف زدہ نہیں ہے۔ سب لوگ اژدھے سے اس طرح کھیل رہے ہیں جیسے ان کے لیے کھلونا ہو۔

سچ ہے انسان واقعی اشرف المخلوقات ہے!

آپ کو تتلی کا انتظار تھا!

ننھے بچو! تتلی کے حسین رنگوں کو سمیٹ کر "تتلی" شائع ہو گیا۔ اس خوبصورت کتابی سلسلے میں آپ کیلئے

- مزیدار کہانیاں ☼ دلکش نظمیں
- بھول بھلیاں ☼ چٹ پٹے لطیفے
- چلبلے کارٹون ☼ معلوماتی انٹرویو
- رنگا رنگ تصویریں

تتلی کے تین خوب صورت شمارے

پیارا پاکستان — ببلو گبلو — جنگل میں منگل

پاکستان کے تمام بڑے بک اسٹالوں پر دستیاب ہے

منگوانے کا پتہ: ا۔ ڈی، آئی آئی ٹی کالونی، کراچی ۷۴۸۰۰ — قیمت ۱۰ روپے

پھر باتیں نہ ایسی سنئیے گا

نائلہ بختیار

رشوت لعنت ہے:۔ ایک بار قائد اعظمؒ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ سفر کے دوران انہیں یاد آیا کہ غلطی سے ریلوے ٹکٹ ان کے ملازم کے پاس رہ گیا ہے اور یوں وہ بلا ٹکٹ سفر کر رہے ہیں۔ جب وہ منزل پہ پہنچے تو اسٹیشن پر اترتے ہوئے وہ ٹکٹ ایگزامنر سے ملے اور اس سے کہا کہ "چونکہ میرا ٹکٹ ملازم کے پاس رہ گیا ہے اس لئے دوسرا ٹکٹ دے کر مجھ سے پیسے لے لئے جائیں۔"

ٹکٹ ایگزامنر نے جواب دیا "آپ مجھے دو روپے دے دیں اور پلیٹ فارم سے باہر چلے جائیں۔"

قائد اعظمؒ کو یہ سن کر طیش آگیا۔ انہوں نے کہا "تم نے مجھ سے رشوت مانگ کر میری توہین اور قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔" بات اتنی بڑھی کہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ٹکٹ ایگزامنر نے لاکھ جان چھڑانا چاہی لیکن قائد اعظمؒ اسے پکڑ کر اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گئے۔ بالآخر ان سے رشوت طلب

کرنے والا قانون کے شکنجے میں آگیا۔

تھوڑا ہندو بنو:۔ محمد حنیف آزاد کو قائد اعظمؒ کی موٹر ڈرائیوری کا فخر حاصل رہا ہے۔ ایک بار قائد اعظمؒ نے اپنے مہمانوں کی تسلی بخش خدمت کرنے پر انہیں دو سو روپیہ انعام دیا۔ چند روز بعد حنیف کی ماں نے خط لکھا، جس میں انہوں نے اپنے بیٹے سے کچھ..... روپے طلب کئے تھے۔ حنیف آزاد نے ساحل سمندر پر سیر کرتے ہوئے قائد اعظمؒ سے اس خط کا حوالہ دے کر کہا "مجھے اپنی والدہ کو کچھ پیسے بھیجنے ہیں۔" قائد اعظمؒ نے فوراً پوچھا۔ "ابھی تمہیں دو سو روپے دیئے گئے تھے وہ کیا ہوئے؟" حنیف آزاد نے کہا۔ "صاحب! وہ تو خرچ ہو گئے۔"

قائد اعظمؒ یہ سن کر بولے۔ "ویل مسٹر آزاد، تھوڑا ہندو بنو۔"

مطلب یہ کہ کفایت شعار بنو کیونکہ ہندو عموماً کفایت شعار ہوتے ہیں۔

منافقت ہر گز نہیں:۔ ایک بار قائد اعظمؒ کو کسی نے مشورہ دیا کہ "وہ بھی گاندھی کی طرح ریل کے تیسرے درجے کے ڈبے میں سفر کیا کریں۔ اس اقدام سے عام لوگوں میں ان کی مقبولیت بہت بڑھ جائے گی۔ قائد اعظمؒ نے تجویز پیش کرنے والے کی طرف تیز نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "میں اپنی آمد و رفت کے لئے اپنا پیسہ خرچ کرتا ہوں۔ اس لئے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجھے اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے۔ میں منافقت کو پسند نہیں کرتا اور محض چند لوگوں میں اپنی مقبولیت میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا جو مجھے ناپسند ہو، ایسی کسی بات کا کوئی فائدہ نہیں۔"

فرمان نبویؐ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ نے میرا ہاتھ تھاما اور میں آپؐ کے ساتھ آپ کے بیٹے ابراہیمؓ کے پاس چل دیا۔ ابراہیمؓ اس وقت نزع کی حالت میں تھے۔ حضورؐ نے انہیں اپنی گود میں اٹھالیا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر آپ نے انہیں گود سے اتار دیا اور رونے لگے۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں، حالانکہ آپ نے رونے سے منع فرمایا ہے"؟ حضورؐ نے جواب دیا "میں نے رونے سے منع نہیں کیا البتہ دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں سے منع کیا ہے، ایک تو خوشی کے وقت لہو ولعب اور شیطانی باجوں کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت چہرے پیٹنے، گریبان چاک کرنے اور نوحہ کی آواز۔"

مرسلہ:۔ محمد ریحان، اسلام آباد

سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں۔ "آدمی بہت سی نیکیاں کرے گا اور انہیں اپنے اعمال نامے میں نہ دیکھے گا تو دریافت کرے گا کہ اے پروردگار! میری نیکیاں کہاں ہیں؟ حکم ہوگا کہ تو نے اپنی نیکیاں ان لوگوں کے پاس پہنچادیں جن کی تو غیبت کرتا تھا۔"

مرسلہ..... محمد ریحان۔ اسلام آباد

ادارہ

عکس ادھورے، کیجیے پورے

اِسس مقابلے میں ہم ہر ماہ کسی ایک شعبے سے تعلق رکھنے والی، دُنیا کی دو معروف شخصیات کے ادھورے خاکے شائع کرتے ہیں۔ آپ کو ان شخصیات کو پہچاننا ہے اور ان کی وجۂ شہرت بتانا ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے آئندہ ماہ ہم صحیح جوابات کے ساتھ ان لوگوں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شائع کریں گے۔ بالکل صحیح جواب دینے والے ساتھی کو ایک سال کے لیے ماہنامہ آنکھ مچولی مفت ارسال کیا جائے گا، ایک سے زیادہ درست حل موصول ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ مقابلے میں شرکت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

- ☐ جوابات الگ کاغذ پر صاف صاف تحریر کیے جائیں۔
- ☐ ہر ماہ کی دس تاریخ تک ادارہ کو موصول ہو جائیں۔
- ☐ جوابات کے ساتھ بھیجنے والے کا مکمل پتا ضرور ہو۔

ان تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے پورا نہ ہونے پر جوابات کو مقابلے سے خارج کر دیا جائے گا!

پتا: انچارج انعامی مقابلہ "عکس ادھورے، کیجیے پورے"
ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۷۵۸۰۰

گزشتہ ماہ کے درست جوابات:۔

وقار یونس

وجہ شہرت: کرکٹ

وقار یونس موجودہ دور کے سب سے تیز رفتار بالر مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے بہت تھوڑی سی مدت میں پاکستان کے لئے کئی شاندار کارنامے سر انجام دیئے ہیں۔ وقار ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان کے ایک چھوٹے قصبے بورے والا میں پیدا ہوئے اور بڑے ہو کر اپنی تیز رفتار بالنگ سے کرکٹ ورلڈ میں تہلکہ مچا دیا۔ تیز رفتار بولنگ اور بورے والا سے تعلق ہونے کے سبب انہیں "بوریوالہ ایکسپریس" کہا جاتا ہے۔ وقار پاکستان کی طرف سے سب سے کم ٹیسٹ میچز کھیل کر ۱۰۰ وکٹیں حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اپنا پہلا ٹیسٹ ۱۵ نومبر ۱۹۸۹ء کو بھارت کے خلاف کھیلے جہاں ۴ بھارتی کھلاڑی ان کا شکار بنے۔ ٹیسٹ کرکٹ میں وقار کی سب سے اچھی سیریز نیوزی لینڈ کے خلاف رہی جب وقار نے کے صرف ۱۰ رنز کی اوسط سے ۲۹ وکٹیں حاصل کیں۔ وقار ٹیسٹ کرکٹ میں اب تک ۱۹ رنز کی اوسط سے ۱۲۱ وکٹیں لے چکے ہیں۔ میچ میں پانچ وکٹیں حاصل کرنے کا کارنامہ وقار ۱۲ دفعہ انجام دے چکے ہیں۔ جب کہ ۱۰ وکٹیں میچ میں وہ ۲ دفعہ حاصل کر چکے ہیں۔

کورٹنی والش

وجہ شہرت: کرکٹ

چھ فٹ ساڑھے پانچ انچ طویل القامت ویسٹ انڈین فاسٹ بالر کورٹنی والش کا شمار دنیائے کرکٹ کے چند بہترین فاسٹ بالرز میں ہوتا ہے۔ والش ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو کنگسٹن میں پیدا ہوئے انہوں نے ۸۲۔ ۱۹۸۱ء میں اپنے فرسٹ کلاس کرکٹ کیریئر کا آغاز بحیثیت باؤلر کیا۔ وہ اپنا پہلا ٹیسٹ میچ ۸۵۔ ۱۹۸۴ء میں آسٹریلیا کے خلاف کھیلے جہاں گرائم ووڈ ان کا پہلا شکار بنے۔ تب سے اب تک والش کی کامیابیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ والش دنیائے کرکٹ کے ان ۲۶ بالرز میں سے ایک ہیں جو ٹیسٹ کرکٹ میں ۲۰۰ سے زائد وکٹیں حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ والش ٹیسٹ کرکٹ میں ہیٹ ٹرک کا کارنامہ بھی دکھا چکے ہیں۔ والش نے اب تک ٹیسٹ کرکٹ میں پانچ دفعہ پانچ یا زائد وکٹیں حاصل کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ جب کہ میچ میں ۱۰ وکٹیں وہ ایک دفعہ حاصل کر چکے ہیں۔ ٹیسٹ کرکٹ میں والش کی بہترین بالنگ ۶۲ رنز دے کر چھ وکٹ ہے۔ اس کارکردگی کا مظاہرہ والش نے بھارت کے خلاف ۸۹۔ ۱۹۸۸ء میں کیا۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب ساتھی:۔

احمر فرحان، ملتان۔

درست جواب دینے والے ساتھی:۔

وحید عامر، بوریوالہ۔ محمد علی جواد، لاہور۔ شہزادہ محمد صدیق، لالہ موسیٰ۔ شیخ حبیب احمد، لاہور۔ سید محمد عابد حسن زیدی، سکھر۔ سید علی احسن جعفری، سکھر۔ ناہید اختر، لاہور۔ سید یحییٰ حسین، کراچی۔ یاسر آفاق، لاہور۔ ایم ایم میمن، سکھر۔ فوزیہ صابر حسین شیخ، حیدر آباد۔ محسن مینھانی، کراچی۔ سید ہانی حیدر، کراچی۔ رابیل غفار، لاہور۔ محمد اعجاز خرم، راولپنڈی۔ پروین اسلام، لاہور۔ امجد اقبال، منڈی بہاؤ الدین۔ محمد ارشد، منڈی بہاؤ الدین۔ محمد عارف قریشی، حیدر آباد۔ سید شیر شاہ، گجرات۔ محمد افسر، چکوال۔ میاں عبدالرازق، ملتان۔ اعجاز احمد چنہ، کندھ کوٹ۔ سید محمد مہدی حسن زیدی، سکھر۔ ثروت جبین، شمائستہ جبین، مروان۔ جعفر مسعود، واہ کینٹ۔ محمد حسن سروش، نواب شاہ۔ محمد ادریس فرید، گوجرانوالہ۔ شمائلہ نیاز، رحیم یار خان۔ فوزیہ ناز، کراچی۔ ظہیر احمد، فیصل آباد۔ عدیل طارق، ڈیرہ غازی خان۔ جاوید سلیم سومل، گوجرانوالہ۔ محمد ارسلان، لاہور۔ عذرا مینگل، کراچی۔ مولا بخش قادری بلوچ، کراچی۔ محمد صدیق ہٹ، نواب شاہ۔ نادیہ صنم، کراچی۔ آفتاب باچکانی، کندھ کوٹ۔ بیدار بخت، ڈیرہ غازی خان۔ محمد فاروق منیر، لاہور۔ شیر نواز گل، پشاور۔ زاہد علی روبی، ملتان۔ نارائن داس آر کھتری، عمر کوٹ۔ محمد حسنین، ڈی آئی خان۔ نعمان خان، راولپنڈی۔ حافظ حذیفہ صدیق قادری، مصعب العز قادری، ملتان۔ محمد عمر جواد، لاہور۔ جاوید اصغر، رحیم یار خان۔ عبدالسلام، گوندانوالہ۔ رئیس غلام الرسول ہنگورو، حیدر آباد۔ محمد سلمان غنی شیخ، حیدر آباد۔ ذوالفقار علی، محمد الطاف حسین، رشیداں ناز، عبدالستار خان طاہر، محمد مشتاق حسین، غلام نبی، سکینہ فردوس، تسمینہ فردوس، روبینہ فردوس، بوریوالہ۔ یاسر اعجاز، ڈنگہ۔ سید عطاء الرحمٰن زیدی، سید دانش رضا زیدی، کوئٹہ۔ شبیر حسین حاجانو، حیدر آباد۔ شاہد محمود شاہد، لاہور۔ محمد صدیق سومرو، جیکب آباد۔ محمد بلال، صوفیہ اظہار، اوکاڑہ۔ عرفان حیدر بخاری، صادق آباد۔ حمیرا تبسم، سکلی۔ محمد شاہد صدیق قائم خانی، حیدر آباد۔ شاہد شیرازی، زاہد شیرازی، امجد شیرازی، خرم شیرازی، نازیہ شیرازی، تنویر احمد ناصر، عامر سہیل پریمی، بھکر۔ محمد علی بھٹہ، ڈیرہ غازی خان۔ علی الطاف، بہاول پور۔ ممتاز علی ملک، کندھ کوٹ۔ بلقیس رشید، آصف رشید، لاہور۔ بلال زاہد، (؟) نوید، حیدر آباد۔ جاوید اقبال کنمبوروی، حیدر آباد۔ محمد سلیم رضا، لاہور۔ عبداللہ فیصل، کراچی۔ عادل عزیز، کراچی۔ بینش نثار، راولپنڈی۔ محمد بلال فاروق، بہاولپور۔ سیدہ صدف عرفان، سیدہ فاکیہ عرفان، سید سلمان احمد، اسلام آباد۔ حماد رضا، مقبول احمد، اعجاز احمد، رفاقت علی، شفقت علی شاہین، مرین اختر، نازیہ خانم، اصغر علی شاد، سرگودھا۔ محمد کاشف مرزا، کراچی۔ نعمان احمد خان، کراچی۔ مستری امجد ایاز رضا، فیصل شہزاد بھٹی، (؟) محمد اجمل چانڈیہ، مظفر گڑھ۔ احسن مصطفیٰ، (؟) طوبیٰ سعادت، اسلام آباد۔ عامر خالق قریشی، حنا خالق قریشی، عادل خالق قریشی، عامرہ خالق قریشی، ایبٹ آباد۔ ایم بی قادری، کراچی۔ شاہد رضا میمن، نواب شاہ۔ ضماد بن اعجاز، ملتان۔ قرۃ العین، پشاور۔ عمران خالق، کراچی۔ عشرت یوسف، جمشید یوسف، کراچی۔ طاہرہ سلیم، طاہر سلیم، لاہور۔ محمد وقاص سہیل، کراچی۔ عبدالوہاب، راولپنڈی۔ فیصل مختار، پرنس سرفراز ملک، خالد علی، ملتان۔ فراز احمد خان، کراچی۔ اقبال خالد زبیر، رحیم یار خان۔ سیدہ رباب ہمدانی، سید حسنین عباس ہمدانی، سید توقیر عباس ہمدانی، سید اسد عباس ہمدانی، راولپنڈی۔ عبدالصمد، جھنگ۔ عمران سہیل، اوکاڑہ، سید محمد منصور، کراچی۔ علی زمانی، کراچی۔ نوید بیگ، کراچی۔ سید خرم کاظمی، طلحہ احمد طاہر، سرگودھا۔ ہریش کمار ڈیوندس، عمر کوٹ۔ سید صولت علی جعفری، حیدر آباد۔ موہن لال، عمر کوٹ۔ سلمان خان سنبل، لاہور۔ ریاض اسرار بیگ، کراچی۔ محمد یاور حکیم، کراچی۔ نادیہ منظور، کراچی۔ ریاض احمد سولنگی، کوٹری۔ خاور شاداب، بھکر۔ محمد آصف جاوید خان، ڈیرہ غازی خان۔ محمد عمر اسلام، لاہور۔ محمد عمران اعظمی، میانوالی۔

جاڑوں کا چاند

شبیر بیگ ناز

وہ نکلا جاڑوں کا چاند
چُپ چُپ، تنہا تنہا چاند

چہرے پر مسکان نہیں
پہلے جیسی شان نہیں

ڈھونڈ رہا ہے بچّوں کو
اور چوپال پہ بوڑھوں کو

پر میدان تو ویراں ہیں
اور چوپال بھی سنساں ہیں

کھیتوں میں جا نکلا ہے
واں بھی اوس کا ڈیرا ہے

منڈیروں سے جھانکے ہے
ساتھی کوئی ڈھونڈے ہے

پر ساتھی کوئی نہ ملے
کوئی نہ اس سے بات کرے

کتنا ہے دُکھیارا چاند
جاڑوں کا بے چارہ چاند

انعامی مقابلہ

امتحان ہے آپ کی ذہانت کا

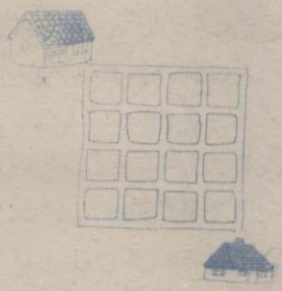

۱۔ یہ ایک قصبے کی تصویر ہے جہاں سڑکوں کا جال بچھا ہے۔ ایک لڑکا اپنے گھر (A) سے اپنے دوست کو ملنے کے لئے اس کے گھر (B) جانا چاہتا ہے۔ آپ ذرا بتایئے تو وہ کتنے مختلف راستوں سے اپنے دوست کے گھر جا سکتا ہے۔ اس کی مجبوری کے ساتھ کہ وہ نہ تو اپنے رستے سے واپس جا سکتا ہے اور نہ ہی ایک روٹ کو دوبار استعمال کر سکتا ہے۔

۲۔ چوری کی واردات کی تفتیش کے دوران پولیس نے تین مشتبہ افراد کا بیان لیا۔ تھامس نے کہا "میں چور نہیں ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ چور کون ہے"۔

ٹام نے کہا "میں چور نہیں ہوں۔ ٹونی چور نہیں ہے۔"

ٹونی نے کہا "میں چور نہیں ہوں۔ تھامس چور نہیں ہے۔"

جو پولیس انسپکٹر اس کیس کی تفتیش کر رہا تھا اسے معلوم تھا کہ ان تینوں میں سے صرف ایک نے چوری کی ہے اور یہ بھی جانتا تھا کہ تینوں نے اپنے بیان میں ایک ایک جملہ سچ کیا ہے۔ بتایئے کون گرفتار ہو گا اور کسے سزا ملے گی؟

۳۔ ایک مربہ قطعہ اراضی کو شکل میں دکھائے گئے طریقے سے مثلثوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہر مثلث کو صرف اور صرف ایک بار کراس کرتے ہوئے پہلی سے آخری مثلث تک کا چکر کاٹ لیا جائے؟

سوالوں کے درست جوابات:۔

۱۔ جار کو ایک زاویئے پر جھکایئے اور پانی انڈیلئے یہاں تک کہ جار کے اندر پانی کی سطح جار کی تہہ کے کسی حصے کو چھو لے۔ بس جار سیدھا کر لیجئے۔ آپ آدھا پانی انڈیل چکے ہیں۔

۲۔

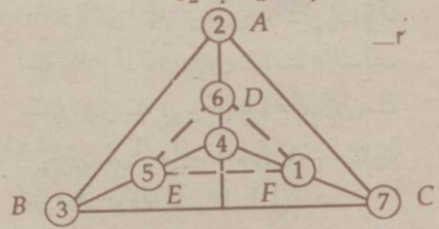

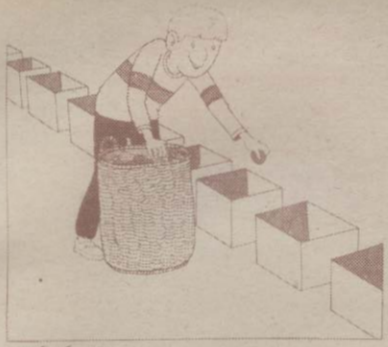

۴۔ ۱۱۹ خالی ڈبوں کو ایک سیدھی لائن میں رکھا گیا۔ بائیں سے شروع کرتے ہوئے ۵۹ ڈبوں میں ایک گیند فی ڈبہ کے حساب سے ڈالی گئی۔ اسی طرح دائیں سے شروع کرتے ہوئے ۸۱ ڈبوں میں ایک گیند فی ڈبہ کے حساب سے ڈالی گئی۔ پھر بائیں سے شروع کیا گیا اور ڈبوں میں ۴۷ گیندیں ڈالی گئیں۔ آپ یہ بتایئے کہ کتنے ڈبوں میں تین تین، کتنوں میں دو دو اور کتنوں میں ایک ایک گیند ہوگی؟

۳۔ چار ٹیمیں رابرٹ اور تھامس، ٹم اور ڈینی ایلان اور جان، پیٹرک اور برین پر مشتمل ہوں گی۔

۴۔ اٹھارہ دن کے بعد گھڑی اٹھارہ منٹ آگے ہوگی اور انیسویں دن کی شام کو یہ مزید دو منٹ آگے ہو جائے گی۔ یوں انیسویں دن یہ بیس منٹ آگے ہوگی۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب:۔

ابتسام ساجد، کمالیہ۔

بالکل درست جواب دینے والے ساتھی:۔

ساجد کمالوی، انشیٰ حسنات، کمالیہ۔

ایک غلطی کرنے والے ساتھی:۔

عبد السلام شیخ، میرپور خاص۔ محمد وقاص سہیل، کراچی۔ احمر فرقان، ملتان۔ محمد کامران کریم شیخ، سکھر۔ محمد علی جواد، لاہور۔ محمد سلیم رضا، لاہور۔ سید راحت حسین نقوی، کراچی۔ محمد فاروق، نواب شاہ۔ عطیہ ناز، ایبٹ آباد۔ عدنان سلیم سندھیلہ، شیخوپورہ۔

ایک سے زیادہ غلطیاں کرنے والے ساتھی:۔

لیاقت علی پروانہ، کراچی۔ ریاض اسرار بیگ، کراچی۔ عبد القدیر اندہٹر، نپّو عاقل۔ نواب علی، کراچی۔ ظفر علی، کراچی۔ سنبل بلقیس، کراچی۔ پرنس سرفراز ملک، ملتان۔ فیصل مختار، ملتان۔ امتیاز اسرار بیگ، کراچی۔ ارم فاطمہ، سکھر۔ عبد الصمد، جھنگ۔ عماد مثنیٰ الحسنین، اسلام آباد۔ عبد الجمیل، سوات۔ عدیل رضا، تلہ گنگ۔ سعید، صوابی۔ محمد اجمل فاروق، فیصل شہزاد، شائستہ نورین، جھنگ صدر شفقت سرور ساہی، گکھڑ منڈی۔ خرم نذر وڑائچ، لاہور۔ محمد علی ملک، جہانگیر احمد ملک، تلہ گنگ۔ رخشندہ ریاض، لاہور۔ نیاز احمد خان، مینگورہ۔ محمد بلال فاروق، بہاولپور۔ عرفان حیدر بخاری، صادق آباد۔ ایم ایم میمن، سکھر۔ یاسر بن نثار، بینش نثار، راولپنڈی۔ نوید فاروق، کھاریاں کینٹ۔ آصف متین، اسلام آباد۔ حافظہ ہالہ قادری، ملتان۔ زاہد علی روبی، ملتان۔ پرنس شہزاد رضا، فیصل آباد۔ ضیا الحق مظفر یاب، کراچی۔ ناہید تبسم، کراچی۔ وقار افتخار بیگ، کراچی۔ محمد حسن سروش، نواب شاہ۔ محمد شکیل راجپوت، ہالہ نیو۔ مولابخش بلوچ، کراچی۔ محمد یوسف شیخ، میرپور خاص۔ جعفر مسعود، واہ کینٹ۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

"پیاری اماں جان" محمد سلیم، چکوال۔ "کشمیر کا بیٹا" محمد عمر میر، آزاد کشمیر۔ "ظلم کے بدلے" ملک طارق محمود اعوان، گولارچی۔ "عید میلاد النبی" ملک طارق محمود اعوان، گولارچی۔ "ایک عظیم غلطی" محمد افضل ساگر مچھوی، بولان۔ "بارود کی کہانی" کامران احمد ادیب، حیدر آباد۔ "اے کشمیر" ارم رؤف، اسلام آباد۔ "پاکستان" فرزانہ نذیر باجوہ، گجرات۔ "علم" محمد عبدالحنان، وہاڑی۔ "چھوٹی اینٹوں کا محل" عرفان امیر (؟) "قربانی" عامر حمید (؟) "ہم گمراہ ہو چکے ہیں" جمشید احمد (؟) "حضرت خضرؑ" نفیس احمد، لاہور۔ "ننھا مجاہد" عدیل رضا، تلہ گنگ۔ "سگریٹ نہ سلگائیں" رانا مظہر الیاس، خانیوال۔ "یقین" سید مظہر علی، نیو کراچی۔ "غربت" عدنان جہانگیر، لاہور۔ "گلاب کی کہانی" شازیہ فیض، کراچی۔ "بادشاہ کا سوال" صابر جبار (؟) "اے میرے قائد" صائمہ دلدار، جھمرہ شی۔ "بڑا انسان" مشاہد حسین، چمبڑ۔ "چیخوں کا راز" محمد ریحان، اسلام آباد۔ "ادھر ادھر سے" سعید اقبال بنگش، کراچی۔ "سازش" عمران فاروق، پشاور۔ "شرارت کی سزا" فرح شمیم، کراچی۔ "انسانیت کے ناطے" صوفیہ بھٹی، کراچی۔ "چائے بنانے کا سائنسی طریقہ" فریحہ عابد، فیصل آباد۔ "بڑوں کا کہنا" فرح طارق، کوہاٹ۔ "لالچ کا انجام احمد دین، کراچی۔ "ہولناک غوا" عاطف محبوب، لاہور۔ "پاکستانی قدم اٹار کیٹکا میں" رنند کشور، حیدر آباد۔ "صبر کا پھل میٹھا" فیصل احمد صدیقی، حیدر آباد۔ "تین اشرفیاں" زاہدہ احسان، قصور۔ "رشتہ خلوص" "اچھی بات" آل زہرا نقوی، کراچی۔ مستقبل کا مجاہد" عمران نصیر، اسلام آباد۔ "بہادر گھوڑا" ظہیر عالم، گھوٹکی۔ "ہیلن کیلر" عبداللہ عرف شہزاد گل، پشاور۔ "نظم" سارہ سکی۔ بہاولپور۔ "شہزادی سوسن" محبوب الٰہی میمن، ٹنڈو آدم۔ "بہترین ساتھی" (نظم) پرنس شہزاد رضا، فیصل آباد۔ "دو مجاہد" قیصر محمود، سیالکوٹ۔ "مسافر کی کہانی" عابد محمود، حیدر آباد۔ "قربانی" محمد زاہد، حیدر آباد۔ "نجات کی خاطر" فہمینہ برڑو، ٹھٹھہ۔ "قزاقوں کا جزیرہ" غیاث علی خان (؟) "قاتل کون" محمد اسلم زبیر، لاہور۔ "اخلاق حسن" محمد عاشق حسین، تلہ گنگ۔ "شرارت" فاطمہ ثروت، کراچی۔ "چالاک ڈاکو" محمد شاہد، بلتستان۔ "صبر کا پھل" ملک طارق محمود، گولارچی۔ "رحمدلی" محمد اعجاز، اٹک۔ "بچے سب کے پیارے" منصور احمد سومرو، گڈو (سندھ) "عظیم چن ے" الفت تسلیم، پشاور۔

"زندگی کیا ہے" مجاہد حسین، شیر شاہ۔ "سچی خوشی" آسیہ حسن علی (؟) "اے وادی کشمیر" محمد کاشف بشیر ساہیوال۔ "عامر کا اغوا" "خوشی اور غم کے آنسو" سجاد حسین ایبٹ آباد۔ "گرمی آگئی" محمد اسحاق وردگ، پشاور شہر۔ "نظم" کرن ضیا، لاہور۔ "میں ہی ہوں وہ طوطا" عینی مظہر، کراچی۔ "مجاہد" پرنس جہانگیر، کراچی۔

نور، کراچی۔ "طلبا امن کے محافظ ہیں" سعدیہ عروج (؟) "جادو" سید اسد سردار، سکھر (سندھ) "صبر کا پھل" اطہر کمال، کراچی۔ "تین سوال" محمد طاہر جمال، کراچی۔ "تعبیر" اشفاق احمد ناز، کراچی "عقلمند کسان" پریم سناف، عمر کوٹ۔

"شیر کا انجام" (؟) "ایک جن دو بھائی" نازلی شمس الدین، لیاقت آباد (کراچی) "سائنس کے کھیل" یاسر بن نثار، راولپنڈی۔ "سانپ سانپ سانپ" طارق شہاب، ملتان "میرے دیس کے شاہین" (نظم) مجلد حسین، کراچی۔ "رحمت کہ زحمت" کیڈٹ اشفاق علی، صوبہ سرحد "اصل حکمراں" "حضرت بلالؓ بن رباح" نعیم الحق، نارتھ کراچی۔ "نوبل انعام کیا ہے؟" عرفان رفیق، پشاور "معصوم حسرتیں" محمد حفیظ مبین، سکھر۔ "جنت کے انگور" جمشید احمد گلال، میرپور خاص۔ "رابرٹ واڈلو" انیس انصاری، خیرپور میرس۔ "اچھے چاچا جی" شبنم فاطمہ، گوجرانوالہ۔ "تاریخ کعبہ" محمد عمران احمد، کراچی۔ "حضرت صفیہؓ" ظل ہما حمید، کاموکے۔ "سینٹ انتھونی کی آگ" شہزاد ابراہیم، حیدر آباد۔ "چیز" عدیل اسلم، گجرانوالہ۔

"سب سے بڑا احمق" ذوالفقار الحق۔ "سفر کیسے گزرا" عبدالرب بھٹی، جیکب آباد (سندھ) "قرآن پاک کے تراجم" ثقلین حسین شہریار، بھروانہ۔ "چالاک درزی، انک۔ "ٹوڈ اور فوڈ" عدیل الرحمٰن، کراچی۔ "ڈائری کی چوری" ابن ثاقب، کراچی۔ "جان بچی سو لاکھوں پائے" سعید عرف سدھو، کراچی۔ "راشد منہاس" شہباز اکبر الفت، لاہور۔ "نظم" الطاف احمد، کھوٹہ۔ "مادر علم" سعدیہ رضوانہ، پشاور۔ "خلیفہ دوئم" بہاول خان، مچھ بولان۔ "اس طرح تو ہوتا ہے" سیما اسحاق، کراچی۔ "آنکھ کی ورزشیں" ملک طارق محمود اعوان، گولارچی (سندھ) "ایک روپیہ" نور الصباح، حیدر آباد۔ "چاند کا خرگوش" شیر نواز گل، ارمڑ پایان۔ "شاہ عبداللطیف بھٹائی" کرشن لال آر کھتری، عمر کوٹ۔ "ایگزیمنڈر فلیمنگ" محمد عظیم قریشی، اسلام آباد۔ "ایک خواب ایک حقیقت" زرتاشیہ جمال، پشاور۔ "یتیم بچہ ڈاکٹر بن گیا" کامران زمان، پشاور "قصور کس کا" نادیہ اصغر، رسالپور۔ "بکرے کی تلاش" اطہر رضا انجبی، کراچی۔ "عید الضحیٰ" عبدالہ محمود، گوجرانوالہ۔ "سویرا" عبدالرب بھٹی، جیکب آباد۔ "ندامت" زینب طاہر، راولپنڈی۔ "ایک نئی راہ" نوشابہ اکرم، رحیم یار خان۔ "کمسن مصنف" ارجمند بانو شفیع، حیدر آباد۔ "غرور کا سر نیچا" "چاہ کن راچاہ درپیش" فوزیہ صدیقی، کراچی۔ "آپ کتنا سوتے ہیں" سید عدیل حیدر شاہ، خوشاب۔ "دم کٹے بندر" صائمہ اختر، کراچی۔ "تین خواہشیں" تصور حسین شاکر، خانیوال۔ "یقین کی دولت" نوشاد محمند، حیدر آباد۔ "مقیاس الہوا کیا ہوتا ہے؟" آفتاب الطاف، گجرات۔ "آخر ایسا کیوں" سید عدیل، لاہور۔ "امتحان اور جراثیم" تنویر احمد، حیدر آباد۔ "جذبوں کا قرض" فوزیہ رضا، ملتان۔ "ملتان کی کہانی" علی شیر، نوابشاہ۔ "رحم دل لڑکا" "چوہے کی چالاکی" خواجہ عدیل احمد وانی، بلتستان۔ "بہادری یا....." صبا علی، کراچی۔ "اونچی اڑانی" صبا علی، کراچی۔ "ہم سا ہو تو سامنے آئے" شہزاد حاجی عثمان گوہر، کراچی۔

"پہیلیاں" خرم طارق، گوجرانوالہ۔ "جھوٹ کی سزا" (؟) "احساس جرم" سہیل احمد جدون، کراچی۔ "روشنی" (؟) "ذہین آرٹسٹ" رب نواز گل، شہداد کوٹ "قاتل کون" مرزا علی عمران، گوجر خان۔ "غرور کی سزا" حفصہ علاؤ الدین شیخ، کراچی۔ "اپنی بستی اپنا گھر" محمد شاہد فیروز، گوجرانوالہ۔ "اے قائد تیرا احسان ہے" (نظم) مجلد حسین، کراچی۔ "ایمانداری" (نظم) رانا محمد طارق، گوجرانوالہ۔ "قوم کی امانت" شیخ یوسف درویش خان، مردان۔

آنکھ مچولی البم

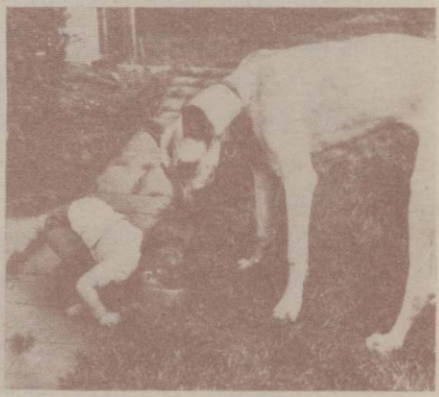

میں تمہارے حصے کا پانی پی رہا ہوں ....
تم میرے حصے کا دودھ پی لینا ....!!

پنکی اب بس بھی کرو... تم نے تو سارا ہی پی لیا ...!!

میں بھی تو دیکھوں ! تم آخر اتنے مزے مزے سے کیا پیتے ہو؟

بہ خدمت جناب

محمد اعظم سلیم خان، کراچی۔ بچپن میں پولیو کا ٹیکہ نہ لگانے کے سبب میری ایک ٹانگ بے کار ہوگئی۔ میں بے ساکھیوں سے چلتا ہوں۔ آنکھ مچولی میرا پسندیدہ رسالہ ہے مجھے اُمید ہے آپ میرا خط بخدمت جناب میں شامل فرمائیں گے۔

○ ..... خوش آمدید بھائی اعظم۔ بچپن میں آپ کو پولیو کا ٹیکہ لگ جاتا تو آپ کی ٹانگ بے کار نہ ہوتی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ والدین کو بچّوں پر خصوصی توجہ رکھنی چاہئے۔ آپ ہمّت والے بنیں، ہماری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں، آنکھ مچولی کی پسندیدگی کا شکریہ! **نازیہ غوری، کراچی۔** آنکھ مچولی میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں کہانیاں، مضامین، لطائف سب ہی کچھ مزے کا ہوتا ہے۔ ○ ..... بھئی! آپ کی باتیں بھی مزے کی ہیں۔ **محمد شعیب طاہر، کراچی۔** انکل! سلسلہ وار ناول "بچاؤ" اچھا جارہا ہے۔ آپ کا رسالہ مجھے بے حد پسند ہے۔ **فرحان خالق، کراچی۔** نومبر کا آنکھ مچولی پڑھا، بے حد اچھا لگا۔ **محمد نوید، حیدر آباد۔** نومبر کا شمارہ شرارت کرتے ہوئے شوخ کلر میں سجے شیر کے ساتھ ملا۔ شرارت نمبر سے پہلے یہ شرارت پسند آئی۔ آرٹسٹ صاحب کو اتنا اچھا ٹائٹل بنانے پر دلی مُبارک باد۔ ○ ..... آپ کی مُبارک باد آرٹسٹ صاحب کو پہنچائی جارہی ہے۔ **عاصم الدّین، نارتھ کراچی۔** نومبر کا شمارہ دل موہ لینے والا تھا۔ خوبصورت ٹائٹل اور خوبصورت کہانیوں سے سجا تھا۔ ممتاز بلّے باز انضمام الحق کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ **عمرانِ خالق، کراچی۔** نومبر کے شمارے میں "دوست میں بھول گیا تھا" "ہمدرد" اور "تالاب کے آنسو" بے حد پسند آئیں۔ یونگ ۷۰۷ پر مضمون بے حد شاندار تھا اگر یہ "کلر پیج" کے ساتھ ہوتا تو اور مزا آتا۔ **ایم اعجاز احمد، (؟)** پہلی بار خط لکھ رہا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میرا نام اس رسالے میں آئے۔ کیا یہ رسالہ آدھی دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ ○ ..... بھئی آدھی دنیا کا تو نہیں

ایک خط ایک مسئلہ

اس خط کے ذریعے میں آپ کی توجہ ایک سنگین مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں اور وہ مسئلہ ہے جگہ جگہ دیواروں پر لگے "فلمی پوسٹروں" کا۔ جسے اسکول اور کالج کے طالب علم بھی دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ "فلمی پوسٹر" واہیات قسم کے ہوتے ہیں جو دیکھنے والوں کے ذہنوں پر بُرا اثر چھوڑتے ہیں۔ ان ہی پوسٹروں کو دیکھ کر چھوٹے چھوٹے طالب علم اسکولوں سے بھاگ کر سینما جاتے ہیں، واہیات اور فضول قسم کی فلمیں دیکھتے اور اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں۔

ان بے ہودہ پوسٹروں اور فلموں کے ذریعے "کل کے معماروں" کا اخلاق تباہ کیا جارہا ہے۔ ان کے ذہنوں میں بُرائی کا زہر بھرا جارہا ہے۔

کیا حکومت ان بیہودہ فلمی پوسٹروں کی اصلاح نہیں کر سکتی؟

شیر نواز گل، ارمڑ یان۔

پتا لیکن یہ رسالہ بچّوں کے دلوں پر ضرور حکومت کرتا ہے۔ رانا مظہر الیاس، خانیوال۔ انکل! یہ میرا آخری خط ہے اس لئے کہ آپ نے میری کوئی بھی تحریر شائع نہیں کی۔ ○ ..... آپ تحریریں بھی تو معیاری بھیجا کیجئے ناں!! ہمت کیجئے اور کوئی اچھی دلچسپ سی معیاری تحریر ارسال کر دیجئے۔ ناز گل میمن، حیدر آباد۔ کافی عرصہ پہلے اپنی تحریریں نہ چھپنے پر میں نے آپ کو خاصا غصّے بھرا خط لکھ دیا تھا۔ میں اب معافی چاہتی ہوں۔ ○ ..... بھئی! ہم بچّوں سے ناراض نہیں ہوتے۔ محمد عثمان بن سلیم، کراچی۔ نومبر کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ملا لیکن اس بار کہانیوں نے متاثر نہیں کیا۔ فاروق حسن چانڈیو صاحب کی "ہمدرد" البتہ اچھی لگی۔ ممتاز الدین احمد، کراچی۔ نومبر کا آنکھ مچولی اپنی مثال آپ تھا۔ کہانیاں لاجواب تھیں، تمام سلسلے پسند آئے۔ تشویش کی بات یہ ہے کہ آپ نے صفحات کم کر دیئے ہیں۔ برائے مہربانی! صفحات کی تعداد بڑھایئے۔ اس بار ایک خط ایک مسئلہ میں طلبہ کے بسوں کے رعایتی کرایہ میں اضافے پر اچھا مسئلہ اٹھایا گیا ہے۔ اس مہنگائی کے دور میں طالب علموں کے ساتھ واقعی زیادتی ہو رہی ہے۔ اعلیٰ حکّام کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ ○ ..... آپ کی اس بات سے ہم بھی اتفاق کرتے ہیں۔ نمرین شمشیر، کراچی۔ انکل! دو نظمیں ارسال کی تھیں کافی عرصہ ہو گیا کچھ پتہ ہی نہیں چلا؟ ○ ..... بھئی آپ کی ایک نظم تازہ شمارے کے قلم قبیلے میں شامل ہے جبکہ دوسری ناقابلِ اشاعت ہے۔ عشرت یوسف، جمشید یوسف، کراچی۔ ہر ماہ کی طرح خوبصورت کہانیوں اور مزیدار لطیفوں سمیت اس ماہ بھی آنکھ مچولی بازی لے گیا۔ محمد یونس حسین، کراچی۔ آپ میری تحریریں کیوں نہیں چھاپتے؟ ○ ..... بھائی! آپ تحریریں بھی تو اچھی بھیجا کیجئے ناں! احمر فرقان، ملتان۔ نومبر کے شمارے میں اپنے دو لطیفے دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

میر عدیل پرویز، مظفر آباد۔ اس مرتبہ کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ سرورق خوبصورت اور لاجواب تھا۔ کیا میں ایک ہی لفافے میں بہت سی تحریریں بھیج سکتا ہوں مثلاً لطائف، خط، قلم قبیلے وغیرہ ○ ..... شمارے کی پسندیدگی کا شکریہ! آپ ایک ہی لفافے میں بہت سی تحریریں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر تحریر الگ الگ کاغذ پر ہونی چاہئے۔ راجہ محمد وحید، آزاد کشمیر۔ پہلی بار آنکھ مچولی کی محفل میں شریک ہو رہا ہوں امید ہے کہ مایوس نہیں کریں گے۔ محمد رضا چنگیزی، کوئٹہ۔ چار خطوط میں سے صرف ایک کا جواب دے کر آپ نے جان چھڑالی ہے لیکن میں لکھنا نہیں چھوڑوں گا اور خط پہ خط

لکھ کر آپ کو پریشان کرتا رہوں گا۔ ○ ..... بھائی رضا! ان صفحات پر اور بھی دوسرے بچوں کا حق ہے۔ ویسے ہم آپ کے خطوط سے پریشان نہیں ہیں۔ نادیہ افضل ملک، اٹک۔ کیا آپ مجھے آنکھ مچولی میں کہانی لکھنے کی اجازت دیں گے؟ ○ ..... کیا ہم نے آپ کو کبھی منع کیا ہے۔ شوق سے لکھیے۔ یہ آپ ہی کا رسالہ ہے۔ محمد آصف ساجد، میانوالی۔ میرا خیال ہے کہ آپ بلاعنوان کہانی کا سلسلہ شروع کیجئے، بخدمت جناب کے صفحات بڑھا دیجئے، ہر ماہ کوئز مقابلے میں کھیل مذہب، سیاست اور عالمی امور جیسے موضوعات پر سوالات کیجئے اور ساتھی بچپن میں تصاویر کے بجائے صرف تعارف شائع کیجئے!! ○ ..... آپ کی تجاویز کا بے حد شکریہ! ساتھی بچپن کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ جمیل احمد جمالی، حیدر آباد۔ آپ کا رسالہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے جسے ہر ماہ دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ میری کہانی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ○ ..... بھائی جمیل! مزید محنت کیجئے۔ غلام مرتضیٰ، راولپنڈی۔ شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرا خط شائع کیا۔ سراج گل خان، کراچی۔ آنکھ مچولی واقعی لاجواب رسالہ ہے۔ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے، جو ہم پڑھنا چاہتے ہیں۔ محمد عاقل احمد خان، پرانا سکھر۔ دو تحریریں ارسال کی تھیں۔ ابھی تک جواب سے محروم ہوں۔ ○ ..... بھائی عاقل! آپ کوئی اور دلچسپ تحریر ارسال کیجئے۔ صائمہ اعظم، مظفر آباد۔ آنکھ مچولی میں بہت اچھی اچھی کہانیاں اور باتیں ہوتی ہیں اس لئے میں اسے شوق سے پڑھتی ہوں۔

مرتضیٰ علی (؟) جناب!

پہلی بار خط لکھ رہا ہوں، ردّی کی نوکری کی نذر نہیں کیجئے گا۔ تاج محمد تاج زہری، پسنی۔ میری تحریریں نہ چھاپنے کی وجہ بتایئے؟ ○ ..... شاید آپ نے اپنی تحریر محنت اور توجہ سے نہیں لکھی کوئی اور اچھی سی تحریر بھیجئے۔ محمد عمر قریشی، اسلام آباد۔ میں اپنے خط چھپنے کا انتظار کروں گا اور آپ نے نہیں چھاپا تو ناراض ہو جاؤں گا۔ ○ ..... بھئی! اچھے لوگ ناراض نہیں ہوتے۔ عدیل احمد، کراچی۔ انکل! آنکھ مچولی میں کہانیاں کم کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟ ○ ..... ایسا ہرگز نہیں کہانیاں گن کر دیکھ لیجئے۔ شہزاد حسین واسطی، لاہور۔ ستمبر کے شمارے کے سرورق پر نشان حیدر پانے والے صرف چار شہیدوں کی تصویریں تھیں۔ ○ ..... بھئی! سرورق پر جگہ کی کمی تھی۔ متین بینا، بلوچستان۔ مجھے آنکھ مچولی بہت پسند ہے۔ سائرہ، گلگت۔ آپ کوئی عنوان دے کر ہم سے مضمون یا کہانی لکھوایئے۔ ○ ..... آپ کی تجویز اچھی ہے لیکن پہلے ہمیں کوئی اچھا سا عنوان بھی تو سوچ لینے دیجئے۔ سید جوبی علی، خانیوال۔ نہ تو میرا خط چھپتا ہے اور نہ ہی میرا نام "مزید محنت کی ضرورت ہے" میں آتا ہے۔ ○ ..... خط تو چھپ گیا ہے بس اپنا نام مزید محنت کی ضرورت میں جانے سے بچایئے۔ عبدالکریم قریشی، بہاول نگر۔ میری کہانی آپکو ضرور پسند آئے گی؟ ○ ..... بھائی! وہ تو ردّی کی نوکری کو پسند آ گئی ہے۔ آپ ہماری پسند کی کہانی بھیجئے۔ نسیم احمد نور، پسنی۔ میری تحریر "غدار" کا کیا بنا؟ ○ ..... بھائی! اس نے ہم سے غداری کی اور ردّی کی نوکری سے مل گئی۔ آپ کوئی اور اچھی سی وفادار تحریر ہمیں روانہ کیجئے۔ منصور احمد سومرو، سندھ۔ انکل! ایک ہی لفافے میں بہت ساری تحریریں بھیج سکتا ہوں؟ ○ ..... بالکل! لیکن ہر تحریر الگ الگ کاغذ پر ہونی چاہئے۔ اظہر ملک، راجن پور۔ آپ نے بغیر وجہ بتائے قلمی دوستی کا سلسلہ بند کر دیا۔ آخر کیوں؟ ○ ..... اس لئے کہ ساتھی بیرنگ خطوط لکھ کر دوسروں کو پریشان کیا کرتے تھے۔

نرم لفظوں سے بھی لگ جاتی ہیں چوٹیں اکثر
دوستی اک بڑا نازک سا ہنر ہوتی ہے

راشد منہاس ثاقب، قصور۔ ستمبر

کے شمارے میں تنویر احمد شاہد کی المناک موت کا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ وہ میرے پسندیدہ رائٹر تھے۔ کاشف اسماعیل، عاطف اسماعیل، نجف اسماعیل، وزیر آباد۔ ستمبر کا آنکھ مچولی ملا، بہت پسند آیا۔ محمد امتیاز، کوہاٹ۔ پہلی بار محفل میں شریک ہو رہا ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ قیصر اقبال ربانی، کراچی۔ بخدمت جناب میں "ایک خط ایک مسئلہ" کی تعریف کروں گا۔ آپ کے شمارے میں ایک بڑی خامی ناقص معلومات کی فراہمی ہے جو "فلرز" میں پائی جاتی ہیں۔ حمیرا کریم، پشاور۔ میں آپ کو انگلش کہانی یا نظم کا ترجمہ بھیجنا چاہتی ہوں۔ ○ ..... بھیج دیجئے، معیاری اور اچھا ہوا تو چھپ جائے گا۔

صبغۃ اللہ حسن، سرگودھا۔ کچھ عرصے سے آنکھ مچولی کا معیار گر گیا ہے اسے اور بہتر بنائیے۔ یاسر آفاق، لاہور۔ عرصہ پانچ سال سے آنکھ مچولی کا مطالعہ کر رہا ہوں ہمیشہ اسے پہلے سے بڑھ کر پایا۔ وسیم شوکت، گوجرانوالہ۔ ستمبر کا آنکھ مچولی بے حد پسند آیا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں اچھی تھیں۔ عبداللہ عرف شہزاد، تازہ شمارہ اچھا لگا، آپ میری تحریریں کب شائع کریں گے؟ ○ ..... آپ کی ایک نظم اصلاح کے بعد قلم قبیلے میں باری آنے پر شائع ہو جائے گی۔ احسن صابر گدی، ریحان حمید گدی، حیدر آباد۔ شمارہ بے حد پسند آیا۔ عالیہ صدف، سرگودھا۔ آپ نے میرا خط نہ چھاپا تو..... ○ ..... آپ ناراض نہیں ہوں گی کیوں کہ آنکھ مچولی سے آپ ناراض ہو ہی نہیں سکتیں۔ محمد عمران احمد، کراچی۔ آنکھ مچولی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ امتیاز علی، جیکب آباد۔ محمد وقاص، سہیل، کراچی۔ پہلی بار خط لکھ رہے ہیں رسالے کی زینت بنا لیجئے۔ احسن مصطفیٰ، پشاور۔ آنکھ مچولی ایک معیاری اور دلچسپ رسالہ ہے۔ نائلہ بختیار، کوہاٹ شہر۔ میں نے دو تحریریں ارسال کی تھیں۔ لیکن آپ نے دونوں نہیں چھاپیں۔ ○ ..... آپ کی ایک تحریر اگست کے شمارے میں چھپ چکی ہے۔ جب کہ ایک تحریر تازہ شمارے ..... میں شامل ہے۔ عائشہ اعجاز، کراچی۔ پلیز! میرا خط ردی کی ٹوکری میں نہ ڈالئے گا۔ علی فرہاد حمید، لاہور۔ آنکھ مچولی میں ایک خوش آئند تبدیلی چند ماہ سے محسوس کی ہے کہ اس میں تحقیقاتی مضامین کی تعداد کہانیوں سے بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ بہت ہی اچھی بات ہے کیوں کہ سائنس و ٹیکنالوجی کے اس دور میں ہمارے لئے تحقیقاتی مضامین زیادہ سے زیادہ پڑھنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ مقداد اعظم، جہلم شہر۔ کچھ مہینوں سے آنکھ مچولی میں مضامین کی بھرمار ہو گئی ہے۔ جب کہ حقیقی کہانیوں میں کمی واقع ہوئی ہے۔ بچوں کے رسالوں کی مقبولیت کا راز کہانیوں کی تعداد پر ہوتا ہے۔ امید ہے کہانیوں میں اضافہ فرمائیں گے۔ بینا افتخار (؟) آنکھ مچولی بچوں کا رسالہ کم اور سائنس کا رسالہ زیادہ لگتا ہے۔ کہانیوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور آپ کے رسالے کے الفاظ بھی خاصے مشکل ہوتے ہیں۔ عبداللہ محمود، گوجرانوالہ۔ آپ نے میرا خط نہ چھاپا تو میں ڈائے سے رسالہ ہی وصول نہیں کروں گا۔ کیوں کہ یہ میرا پانچواں خط ہے۔ ○ ..... جی ہمیں معلوم ہے یہ آپ کا دوسرا خط ہے۔ محمد امجد عزیز پیامی، سانگلہ ہل۔ میں اپنی تحریر "تکیہ کلام" بھیجنا چاہتا ہوں کیا آپ شائع کر دیں گے؟ ○ ..... بھائی! پہلے تحریر تو بھیجئے تاکہ پڑھنے کے بعد کوئی فیصلہ کر سکیں۔

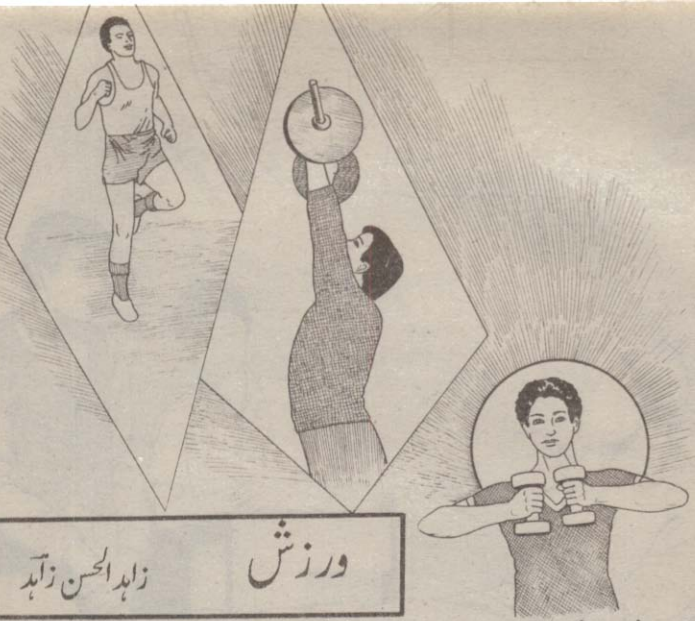

ورزش

زاہد الحسن زاہد

ورزش کرو ہمیشہ صبح سویرے اٹھ کر
ناغہ نہ ہونے پائے، ورزش کرو برابر
ہے فائدہ تمہارا احساں نہیں کسی پر
ورزش کرو ہمیشہ، ورزش کرو ہمیشہ

ورزش سے آدمی کی ہوتی ہے دور سستی
کرتی ہے آدمی کے تن میں یہ پیدا چستی
ورزش سے آدمی کو ملتی ہے تندرستی
ورزش کرو ہمیشہ، ورزش کرو ہمیشہ

ورزش سے جسم و جاں کو ملتی ہے خوب راحت
ہوتی ہے دور ساری اعصاب کی نقاہت
دنیا میں زندگی کی، صحت ہے اک علامت
ورزش کرو ہمیشہ، ورزش کرو ہمیشہ

ورزش سے آئے گا پھر دنیا میں تم کو رہنا
تم سیکھ لو گے خود ہی رنج والم کا سہنا
اب وقت ہے سمجھ لو زاہد کو پھر نہ کہنا
ورزش کرو ہمیشہ، ورزش کرو ہمیشہ

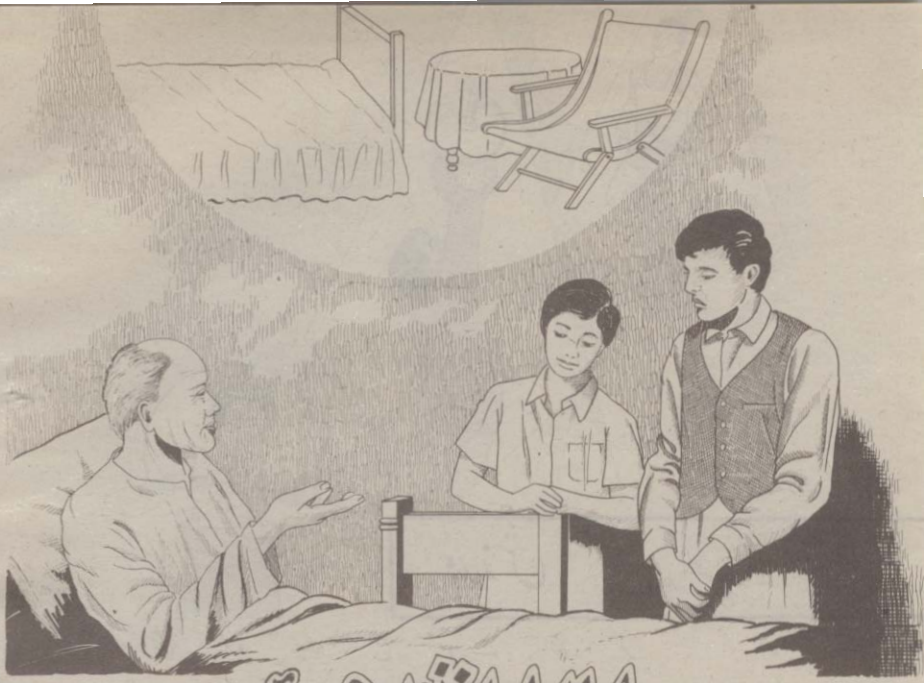

دادا ابا پرانے نہیں ہوتے

شازیہ فرحین

ڈرائنگ روم میں رکھے ہوئے بڑے سے گلدان پر اچانک ہی میرے پاؤں کی ٹھوکر لگی، چھناک سی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے وہ چکنا چور ہو کر دبیز قالین پر بکھر گیا۔

"اف یہ کیا ہو گیا!!" میں نے پریشان ہو کر ماتھے پر ہاتھ رکھا اور ابو کی آواز پر پلٹ کر دیکھا "کوئی بات نہیں، ویسے بھی اب یہ پرانا ہو گیا تھا"۔

"لیکن ابو مجھے تو یہ پرانی چیز بہت اچھی لگتی تھی"۔ میں نے تاسف سے کہا "لیکن بیٹا پرانی چیزیں کبھی زندگی کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتیں"۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے سگریٹ سلگائی اور دور کھڑے دادا جان کو دیکھا جو کب سے کھڑے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔

"حسیب بیٹے کتنی دفعہ سمجھایا ہے اتنی سگریٹ نہ پیا کرو، اس سے پیسہ بھی ضائع ہوتا ہے اور صحت بھی خراب ہوتی ہے....." دادا جان ہمیشہ کی طرح نرم لہجے میں کہہ رہے تھے جبکہ ابو کے چہرے پر بے

زاری تھی۔

"افوہ ابا جی، یہ سب پرانی باتیں ہیں، کچھ نہیں ہوتا اس سے!" ابو نے چشمہ نکال کر صاف کرتے ہوئے کہا اور ریک میں ترتیب سے رکھی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگے۔ یہ عمل اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ اب وہ مزید کچھ سننا نہیں چاہتے۔

میں دیکھ رہا تھا کہ کچھ روز سے ابو دادا جان کو بالکل نظر انداز کر رہے تھے ورنہ پہلے تو وہ دادا جان سے خوب باتیں کرتے تھے، آفس کی، سیاست کی بات، پڑوسی کی، اخراجات کی، غرض کہ دنیا جہان کے موضوعات پر دادا جان سے تبادلۂ خیال ہوتا۔ مشورے لئے اور دیئے جاتے مگر اب کچھ عرصے سے وہ دادا جان کو نہ تو وقت دیتے تھے اور نہ ان کا حکم مانتے، وہ سگریٹ پینے سے منع کرتے تو ان کے سامنے ہی کئی سگریٹ پھونک ڈالتے، وہ فضول فلمیں دیکھنے پر برہم ہوتے تو وہ گھر والوں کے ساتھ رات گئے تک اس شغل میں مصروف رہتے میں ابو کے اس رویئے پر سخت کڑھتا کیونکہ پورے گھر میں دادا جان ہی میرے سب سے اچھے دوست تھے، جن کا لہجہ نرم اور میٹھا تھا، جن کے چہرے کی جھریوں میں ہمیشہ محبت اور پیار کی پرچھائیاں لہراتی تھیں، میں ہمیشہ ان سے ہی اپنے مسائل بیان کرتا اور وہ میرے مسئلے چٹکیوں میں حل کر دیتے۔ آج بھی جب ایک مسئلہ آ کھڑا ہوا تو دادا جان سے ہی میں نے الجھن بیان کی۔

"دادا جان ابو کو میڈم نے بلایا ہے مگر وہ اسکول چلتے ہی نہیں۔ اب اگر کل بھی وہ اسکول نہیں گئے تو میں چھٹی کر لوں گا پھر نہ کہئے گا کہ میں اسکول چور ہوں"۔ میں نے بے چارگی سے دادا جان کو دیکھا اور واپس اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ صبح معلوم ہوا کہ ابو آج بھی مصروف ہیں اور میرے ساتھ اسکول نہیں جا سکیں گے۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں دادا جان کے نرم کمبل میں جا گھسا اور ان سے باتیں کرتا رہا۔

شام کو ابو کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے دو تین تھپڑوں سے میرے گال سرخ کر دیئے اور کانوں کو اتنے زور سے کھینچا کہ میں بلبلا اٹھا۔ میں روتا ہوا دادا جان کے کمرے کی طرف بھاگا جو ایسے موقعوں پر میرے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوتا تھا۔ میں ان کے سینے سے لگ کر کافی دیر تک روتا رہا اور جب روتے روتے تھک گیا تو نیند کی پری نے مجھے میٹھی لوری سنائی اور میں سو گیا۔

رات کھانے کی میز پر دادا جان نے ابو کو خوب سنائیں۔

"بھلا حد ہو گئی۔ تمہاری ہی غلطی کہ اسکول نہیں گئے اور پھر بچے کو دُھن کر رکھ دیا یہ کہاں کی شرافت ہے!!"

"میرے پاس وقت نہیں تھا میں کیسے جا سکتا تھا؟" ابو نے تاویل پیش کی۔ "بچوں کے لئے وقت نکالا جاتا ہے"۔ دادا جان تیز لہجے میں بولے۔ "بچوں کی تربیت ایسے ہی نہیں کی

جاتی"۔

"ابا جی! آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں دن رات محنت کرتا ہوں تو کس کے لئے ان بچوں ہی کے لئے..... اس سے زیادہ آپ اور کیا چاہتے ہیں۔" ابو نے جھنجلا کر کہا۔

"بیٹے! بچوں کو باپ کی توجہ بھی چاہئے ہوتی ہے۔ صرف روپے پیسے کمالینا ہی کافی نہیں ہے۔ بہرحال تمہیں کل اسکول جانا پڑے گا!" دادا جان نے گفتگو سمیٹی اور نیپکن سے ہاتھ صاف کئے۔ مگر ابو کو بھی جیسے ضد سی ہوگئی۔ بولے! "اگر فرصت ملی تو آجاؤں گا۔" اس لمحے دادا جان کا چہرہ فق تھا تھے۔ پھر وہ خبر نامہ دیکھنے بھی نہ ٹھہرے۔

مجھے افسوس ہونے لگا کہ خواہ مخواہ میری وجہ سے یہ تلخی پیدا ہوئی۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب کبھی اپنے مسائل دادا جان سے بیان نہیں کروں گا۔

میرے ارادے کے باوجود ایک واقعہ ایسا رونما ہوا جس نے ابا جان اور دادا ابا کے تعلق میں اور زیادہ فاصلے پیدا کر دیئے۔ ان دنوں ابو اور امی گھر کی تزئین و آرائش میں مصروف تھے۔ کیونکہ فرنیچر اور پردے وغیرہ اب بہت پرانے ہو چکے تھے۔ ویسے بھی ابو کو نئی نئی چیزیں خریدنے اور گھر سجانے کا شوق کچھ زیادہ ہی تھا۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں میں خوبصورت پردے اور چمکتا دمکتا فرنیچر پورے گھر میں اپنی بہار دکھانے لگا۔

اب مسئلہ صرف دادا جان کے کمرے کا تھا۔ دادا جان چاہتے تھے کہ ان کے کمرے کو نہ چھیڑا جائے جبکہ ابو اس کے لئے تیار نہ تھے۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو دادا جان بولے۔

"حسیب! میں نے شہر آکر اپنی پہلی تنخواہ سے یہ فرنیچر خریدا تھا۔ تم بے شک رنگ روغن کروالو مگر اس فرنیچر کو ایسے ہی رہنے دو مجھے اس سے خاص انسیت ہوگئی ہے۔"

دادا جان کے منع کرنے کے باوجود ابو نے ان کے کمرے کا فرنیچر بھی تبدیل کروا دیا اور دادا جان بس دیکھتے ہی رہ گئے۔

دادا جان کو ذیابیطس کا مرض لاحق تھا جس کی وجہ سے ہر مہینے انہیں ٹیسٹ کروانے ڈاکٹر کے پاس جانا ہوتا تھا۔

اس روز ابو آفس سے جلدی آگئے تھے تاکہ دادا جان کو ہسپتال لے جائیں۔ جب وہ دادا جان کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہیں آرام کرسی پر دراز اخبار پڑھتے ہوئے پایا۔ جوتوں کی چاپ پر دادا جان نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر جیسے انہیں یاد آگیا کہ آج تو ہسپتال جانا تھا۔

"ابا جی، آپ اب تک تیار نہیں!!" انہوں نے کسی قدر جھنجھلاہٹ سے کہا۔

"آپ کو معلوم تھا کہ آج ہسپتال جانا ہے مگر پھر بھی.....؟" ابو کی بلند آواز پر دادا جان نے گھور کر انہیں دیکھا۔ ان کا لہجہ گستاخانہ تھا۔

"اب جلدی سے تیار بھی ہو جائیں، کیوں میرا وقت ضائع کر رہے ہیں!!" ابو نے سلگتے ہوئے تیز

لہجے میں کہا۔ ان کے اس رویئے کے باعث دادا جان کا چہرہ سرخ تھا اور وہ حیرت سے ابو کو تک رہے تھے۔ کچھ توقف کے بعد وہ ابو سے مخاطب ہوئے۔ "تمہیں اپنا وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جاسکتے ہو میں ہسپتال خود ہی چلا جاؤں گا ..... خدا نے ابھی اتنی ہمت دی ہے..... بوڑھا ہو گیا ہوں مگر تمہارا محتاج نہیں ہوں.....!!!" دادا جان نے ایسے لہجے میں کہا جیسے بہت صبر و ضبط سے کام لے رہے ہوں۔

"ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی!" ابو نے بے پرواہی سے کہا اور رسٹ واچ دیکھتے ہوئے باہر چل دیئے۔ مجھے اس وقت ابو پر بہت غصہ آیا۔

"دادا جان آپ میرے ساتھ رکشے میں چلئے"۔ میں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ "نہیں مجھے ہسپتال نہیں جانا۔" ان کا لہجہ اٹل تھا۔

اس دن کے بعد سے دادا جان اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ گئے حالانکہ میں نے کتنی دفعہ سمجھایا کہ تازہ ہوا صحت کے لئے بہت ضروری ہے مگر انہوں نے ہمیشہ سر ہلا کر انکار کر دیا۔ ابو سے بھی ان کی بات چیت اب بالکل بند تھی۔

کچھ ہی دنوں بعد ہم سب پر یہ انکشاف ہوا کہ دادا جان ہمارے ملازم فضلو سے اپنے گاؤں جانے کی تیاری مکمل کروا چکے ہیں۔ چلتے ہوئے جب انہوں نے مجھے گلے سے لگا کر ماتھا چوما اور رخساروں پر اپنا میٹھا میٹھا پیار دیا تو میں ہچکیوں سے رو پڑا پھر وہ

ایک دلچسپ مذاق

سامان: آئینہ، صابن، چاقو۔

صابن کی ٹکیا لے کر چاقو سے اس کی نوک بنا لیجئے اور اس نوک سے آئینہ کے اوپر ٹیڑھی میڑھی لکیر کھینچ دیں۔ اس کے بعد امی سے کہیں کہ آپ کی سنگھار میز کا آئینہ کسی نے توڑ دیا ہے۔ وہ بھاگی ہوئی آئیں گی اور دیکھیں گی کہ واقعی آئینہ چٹخ گیا ہے۔ وہ بہت خفا ہوں گی۔ لیکن آپ انہیں زیادہ دیر غصے کی حالت میں نہ رکھئے۔ کیونکہ غصے سے صحت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ آپ فوراً رومال گیلا کر کے آئینے پر پھیر دیجئے، لکیر فوراً غائب ہو جائے گی۔

چلے گئے۔

دو دن، چار دن، دس دن گزر گئے۔ دادا جان کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔ میں ان کی طرف سے بہت پریشان تھا۔ مجبور ہو کر ایک دن ابو سے کہہ ہی دیا "ابو دادا جان کی اطلاع تو کروایئے، مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے۔" میرے اس طرح کہنے پر ابو نے گردن کو خفیف سا خم دیا اور خاموش ہو گئے، اور ان کی خاموشی مجھے بہت کچھ بتا گئی کہ وہ بھی ان کے جانے سے کس قدر پریشان ہیں۔ جس دن سے دادا جان گئے تھے اس دن کے بعد سے آج تک میں نے ابو کو ہنستے تو کجا مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کئی دن تک تو دادا جان کے کمرے کے خالی چکر لگاتے رہے اور پھر انہوں نے

دل میں کوئی چور نہیں۔۔

۱۹۴۳ء میں جب کہ قائد اعظمؒ اپنی عمر کے پینسٹھ ویں سال میں تھے۔ ایک صاحب نے ایک محفل میں آپ سے عرض کی "جناب آپ کے دبلے پتلے جسم کے ساتھ آپ کے عزم اور کردار کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ عمر کی اس منزل میں اس تندہی اور محنت شاقہ سے آپ قومی کام کیسے کرتے ہیں"۔ قائد اعظمؒ مسکرائے اور جواب دیا "محض دو وجوہ سے۔ ایک اس لئے کہ میں بہت کم کھاتا ہوں اور دوسرا اس لئے کہ کسی بھی سلسلے میں میرے دل میں کبھی کوئی چور نہیں ہوتا۔"

مرسلہ:۔ سید حسنین عباس ہمدانی۔ کھوٹہ

دادا جان کے کمرے کا فرنیچر بھی تبدیل کر کے وہی پرانا سامان ان کے کمرے میں رکھوا دیا۔ شاید پرانی چیزیں اب انہیں اچھی لگنے لگیں تھیں۔ اور پرانے لوگ شدّت سے یاد آرہے تھے۔ مجھے اب ہر وقت ان کی آنکھوں میں اداسی نظر آتی مگر مجال ہے جو انہوں نے کبھی اظہار کیا ہو۔ غرض یہ کہ گھر ہمیشہ سائیں سائیں کرتا۔ ابو اخبار کھولتے تو شاید دادا جان کے بجائے دیواروں سے تبادلہ خیال کرتے، سگریٹ پیتے تو خود ہی شرمندہ ہو کر آدھا سگریٹ بجھا کر پیروں سے مسل دیتے۔

اگلے چند دنوں میں گاؤں سے اطلاع آگئی کہ دادا جان بیمار ہیں ابو ٹیلی گرام پڑھ کر اتنے پریشان ہوگئے کہ فوراً تیاری شروع کر دی اور میرے اصرار پر وہ مجھے بھی ساتھ لے جانے پر آمادہ ہوگئے۔

جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو دادا جان چارپائی پر آنکھیں موندے لیٹے ہوئے تھے۔ میں دوڑ کر ان سے لپٹ گیا۔ وہ بخار میں تپ رہے تھے اور آہستہ آہستہ کراہ بھی رہے تھے۔ ابو پائنتی پر بیٹھ کر ہولے ہولے ان کی ٹانگیں دبانے لگے۔ دادا جان نے آنکھیں کھولیں اور پھر اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ابا جی میں آپ کو لینے آیا ہوں، گھر چلئے۔

.....!!" کچھ دیر بعد ابو نے دھیرے سے کہا تو دادا جان نے سر اونچا کر کے انہیں دیکھا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولے۔

"حسیب! میں نے محسوس کیا ہے کہ اب اُس گھر میں پرانی چیزوں کی ضرورت باقی نہیں رہی..... ویسے بھی میں یہاں بہت خوش ہوں مجھے یہاں عزّت، احترام، پیار، محبت سب کچھ ملا ہے....."

میں نے دیکھا، اس لمحے ابو کا چہرہ شرمندگی سے جھکا جا رہا تھا۔ وہ دادا جان سے آنکھیں نہیں ملا پا رہے تھے۔ پھر ابو نے مجھ سے باہر جانے کے لئے کہا۔ میرے جانے کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں میں کیا کیا باتیں ہوئیں۔ ہاں البتہ دروازے کی چوکھٹ سے میں نے یہ ضرور دیکھا کہ ابو کا سر دادا جان کے سینے پر تھا اور دادا جان ہولے ہولے اپنے کمزور ہاتھوں سے ابو کا سر سہلا رہے تھے۔ میں دوڑ کر قریب آیا اور دادا جان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس وقت سورج کی تیز روشنی کمرے میں پھیلتی جا رہی تھی۔

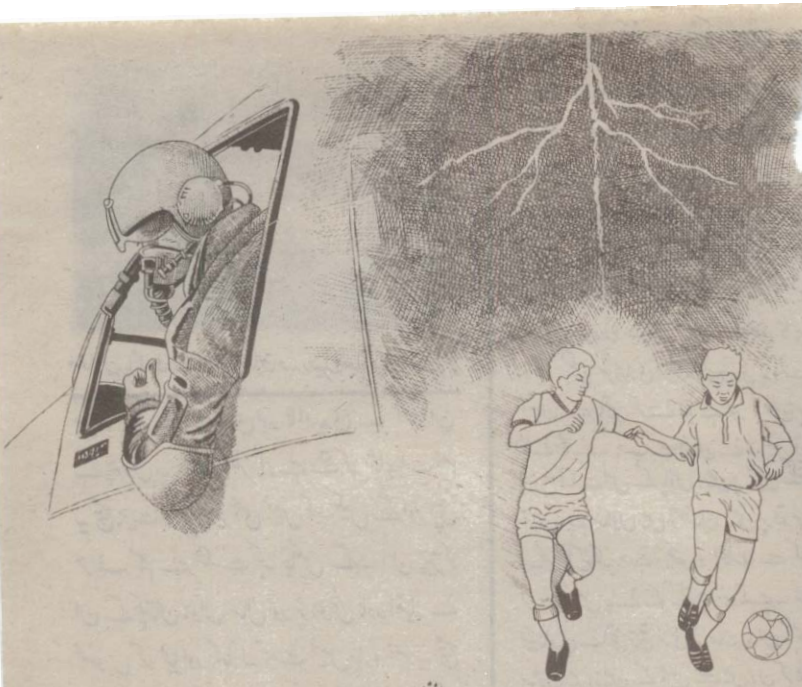

جیتنے والا زندگی ہار بیٹھا

صبا احمد

۶ جولائی ۱۹۷۰ کو مخالف اسکول اور کینٹ پبلک اسکول کی فٹ بال کی ٹیموں کے درمیان میچ ہوا۔ حسنِ اتفاق سے موسم بڑا خوشگوار تھا۔ دھوپ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا، ہوا بڑی ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی، ایسے میں کھیل کا مزہ دوبالا تھا اور پلے گراؤنڈ میں فٹ بال میچ اپنے عروج پر تھا۔ مخالف اسکول کی فٹ بال ٹیم فتح کی طرف تیزی سے گامزن تھی اور تماشائیوں کے فلک شگاف نعرے فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ ان نعروں سے کپتان نادر امتیاز کی ٹیم کے حوصلے ختم ہو رہے تھے۔ مخالف اسکول کے تجربہ کار کھلاڑی بھرپور دباؤ ڈال رہے تھے اور ایک گول کی برتری حاصل کئے ہوئے تھے اور دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا جب کہ کھیل ختم ہونے میں صرف ۱۰ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ آسمان پر ایک طرف سے گہرے کالے بادل اُمنڈنا شروع ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی کینٹ پبلک اسکول کے کھلاڑیوں کے چہرے

معاون پائلٹ نادر امتیاز سابق صدر جنرل ضیاء الحق سے ہاتھ ملاتے ہوئے

مرجھانے لگے۔ مایوسی اور ناامیدی کے آثار ان کے چہروں پہ صاف نظر آرہے تھے کہ شاید اب ہم یہ میچ جیت تو کیا برابر بھی نہیں کر سکیں گے اور اپنی حریف ٹیم سے شکست کھا جائیں گے۔ اس چیز کو ان کے کپتان جواں سال اور پُرجوش نادر امتیاز نے محسوس کر لیا اور کہا کہ ہمت نہیں ہارو ہم یہ میچ جیت کر رہیں گے۔ اس دوران آسمان سے ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ اب تو یہ بالکل یقینی محسوس ہونے لگا تھا کہ کینٹ پبلک اسکول کی شکست بالکل سامنے ہے۔ اس دوران سینٹر فارورڈ کپتان نادر امتیاز شیر کی طرح دھاڑتے اور بجلی کی طرح گرجتے، مخالف ٹیم کی دفاعی لائن کو توڑتے ہوئے اکیلے ہی گول تک جا پہنچے اور ایک زور دار ہٹ کے ساتھ گیند کو گول کے اندر پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی میچ برابر ہو گیا اور کپتان نادر امتیاز کی ٹیم کے حوصلے بلند ہو گئے۔ کھیل دوبارہ شروع ہوتے ہی گیند پھر کپتان نادر امتیاز کے پاس تھی اور نادر امتیاز بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ڈی میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے

سائنس و ٹیکنالوجی

بیسویں صدی عیسوی میں بہت سی مفید ا
وجود میں آئی ہیں مثلاً سب سے بڑی اور حیر
ایجاد کمپیوٹر ہے جس کی مدد سے ہم اڑتی چڑیا
گن سکتے ہیں۔ اور آسمان پر موجود تارے بھی گن
سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر کی بدولت ہم اپنی
ہتھیلی پر سرسوں بھی جما سکتے ہیں۔ مستقبل میں
کمپیوٹر ایسے روبوٹ تیار کریں گے جن کا پیٹ ہلکا
ہو گا لیکن سر بھاری ہو گا۔ کمپیوٹر کی بدولت انسان
آسمان سے باتیں کرنے لگا ہے اور آسمان پر تھگلی
لگانے لگا ہے۔ جب سے انسان نے خلا میں قیام کرنا
شروع کیا ہے اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگتے۔ اور
آئندہ چند سالوں میں تو انسان زمین پر قدم بھی نہ
رکھے گا کیونکہ جب دیکھو وہ !بیلٹ سے کمر باندھ
کر خلا میں جانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ سائنس و
ٹیکنالوجی نے اتنی ترقی کر لی کہ سائنسدان آئندہ چند
سالوں میں زمین کے جس حصے میں دن کرنا ہو، خلا
میں موجود خلائی آئینے کی مدد سے رات کو دن میں
تبدیل کر دیں گے۔ اس طرح وہ زمین کے دن
رات ایک کر دیں گے اب تو انسان نے زمین پر ہوائی
قلعے بنانے کے بعد خلا میں خلائی قلعے بھی بنانے شروع
کر دیئے ہیں۔ یہ قلعے شیشے کے ہیں۔ زمین سے
ایندھن خلا میں لیجا کر ان خلائی قلعوں کے شیشے
میں اتارا جاتا ہے تاکہ مستقبل میں انسان دوسرے
سیاروں پر بھی آسانی سے جاسکے۔ ان خلائی قلعوں
میں انسان ہیٹر کے سامنے بیٹھ کر ہاتھ گرم نہیں
کرتے بلکہ مٹھی گرم کرتے ہیں کیونکہ وہاں ایسا کرنا
پڑتا ہے۔ اب انسان ان کوششوں میں مصروف ہے
کہ دودھ کا ایسا نعم البدل تیار کیا جاسکے جس کے
استعمال سے چھٹی کا دودھ یاد نہ آئے۔

مرسلہ: زاہد قریشی، آزاد کشمیر

مخالف ٹیم کے فل بیک نے جان بوجھ کر ...کی کوشش کرتے ہوئے نادر امتیاز کو گرا دیا۔ ...یاز کے دونوں گھٹنے اور کہنیاں بُری طرح ...رمی ہو گئی تھیں اور ان سے خون رِس رہا تھا لیکن نادر امتیاز کا جوش قابلِ دید تھا۔ ریفری نے پینلٹی اسٹروک دے دیا۔ میچ ختم ہونے میں دو منٹ باقی تھے۔ ریفری نے ٹائم آؤٹ لیا اور کپتان نادر امتیاز نے پینلٹی اسٹروک کی ہٹ لگائی اور مخالف ٹیم کے گول کیپر نے گیند کو پکڑنے کے لئے جست لگائی لیکن گولی کی سی تیزی کے ساتھ گیند گول کے اندر پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ہی تماشائیوں کا ایک ریلا گراؤنڈ میں داخل ہو گیا اور انہوں نے والہانہ عقیدت کے ساتھ نادر امتیاز کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور پورے گراؤنڈ کا چکر لگانا شروع کیا۔ اسی اثنا میں بارش شدت اختیار کر گئی لیکن فتح کی خوشی میں انہیں بارش کی شدت کا قطعی احساس نہ تھا۔

آج جمعہ ۶ جولائی ۱۹۸۴ء ہے۔ پھر ویسا ہی موسم خراب لیکن آج فتح کا دن نہیں بلکہ نادر ایتاز کی زندگی کی شکست کا دن ہے۔ جب اس کی زندگی موت کے ہاتھوں ہار گئی۔ آج اس کے دوست احباب اور اس کے مداح اس کو فتح کی خوشی میں اپنے کاندھوں پر اٹھا کر نہیں بلکہ معاون پائلٹ (CO-PITOL) شہید نادر امتیاز کو اپنی آہوں اور سسکیوں کے ساتھ، زخم خوردہ دلوں اور تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ اس کی آخری آرام گاہ تک اپنے کاندھوں پر لے جا رہے ہیں۔

نادر امتیاز ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷۱ء میں کینٹ پبلک اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ اپنی جواں مردی اور جواں حوصلے کے باعث کھیلوں کے شوقین تھے اور اپنے اسکول کی فٹ بال ٹیم کے کپتان بھی۔ سینٹ پیٹرک کالج سے گریجویشن کیا اور کراچی ایرو کلب سے ۱۹۷۴ء میں فلائنگ کی تربیت حاصل کی۔ تربیت حاصل کرنے کے بعد پائلٹ بن گئے اور ۱۹۷۷ء میں بلوچستان گورنمنٹ کو جوائن کیا۔ اپنے اخلاق، حسنِ سیرت، کردار اور محبت کے باعث ہر دل عزیز تھے۔

پھر جمعہ ۶ جولائی ۱۹۸۴ء کو ایک سیسنا طیارہ چک لالہ ائرپورٹ سے لیفٹننٹ جنرل سردار ایس۔ ایف۔ لودھی گورنر بلوچستان کو لے کر روانہ ہوا لیکن یہ طیارہ اپنی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکا اور بے تحاشہ خراب موسم کی وجہ سے بھکر میں تباہ شدہ حالت میں ملا اور اسی کے ساتھ اس طیارے میں سوار تین نوجوان مسافر... پائلٹ حیدر آیانی، اے۔ ڈی۔ سی عامر اکبر اور معاون پائلٹ نادر امتیاز طیارے کے اس... حادثے میں زندگی کی قیمتی نعمت سے محروم ہو گئے۔

نادر امتیاز نے فرائض کی انجام دہی کے دوران جامِ شہادت نوش کیا۔ اور ہمارا ملک ایک ماہر ہوا باز سے محروم ہو گیا۔

ایک عجیب و غریب قصّہ

محمد عادل منہاج

وائرس کا پیغام

آج جب میں نے کمپیوٹر کے پروگرام کا ڈسک کمپیوٹر میں ڈال کر چیک کیا پتا چلا کہ اس ڈسک میں وائرس موجود ہے۔ یہ دیکھ کر میں چونک اٹھا اور تین سال قبل پیش آنے والا واقعہ میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ آج اتنے عرصے بعد دوبارہ وائرس سے ملاقات ہوئی تو اس پراسرار واقعے کی یاد تازہ ہو گئی اور میں نے سوچا کہ میں اپنے قارئین کو بھی کیوں نہ اپنی یادوں میں شریک کر لوں۔

اس واقعے کا آغاز کرنے سے قبل میں اپنا تھوڑا سا تعارف کروا دوں کہ بنیادی طور پر میں ایک بزنس مین کا بیٹا ہوں اور بزنس میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتا ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ مجھے لکھنے کا بھی

شوق ہے اور مختلف رسالوں میں اکثر میری تحریریں شائع ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ میں نے کامرس کی تعلیم حاصل کی ہے مگر اس کے علاوہ میں نے کمپیوٹر پروگرامنگ بھی سیکھی ہے۔کیونکہ کمپیوٹر اب ہماری زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔ ہاں تو میں تین سال قبل پیش آنے والے واقعے کا ذکر کر رہا تھا۔ ان دنوں میں ایم کام کے فائنل ایر میں تھا۔ چونکہ مجھے کمپیوٹر پروگرامنگ آتی تھی اس لئے میں کہانیاں لکھنے کے ساتھ کمپیوٹر پر اُن کی کتابت بھی خود کرتا تھا۔ اس طرح ایک تو میری پریکٹس ہوتی، دوسرے کمپیوٹر کتابت سے فاضل آمدنی بھی ہو جاتی۔ ویسے اس میں آمدنی سے زیادہ دخل شوق کا تھا۔ کتابت کرنے کے لئے میرے پاس ایک پیکیج پروگرام کی ڈسک تھی۔ اس پروگرام کی خوبی یہ تھی کہ یہ نہ صرف کتابت کی غلطیوں کو درست کرتا تھا بلکہ مختلف الفاظ کا متبادل بھی بتاتا تھا۔

اس دن میں گھر میں اکیلا تھا کیونکہ میرے والد بزنس کے سلسلے میں اپنے پارٹنر کے ساتھ دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ ٹی وی پر بھی کوئی اچھا پروگرام نہیں آرہا تھا اور میں بور ہو رہا تھا تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ کل جو کہانی لکھی تھی اس کی کتابت ہی کرلوں۔ یہ سوچ کر میں نے پیکیج پروگرام کی ڈسک کمپیوٹر میں لگائی اور کہانی ٹائپ کرنے لگا۔ ایک صفحہ ٹائپ کرنے کے بعد کمپیوٹر کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا، انہیں درست کر کے میں وہ صفحہ ڈسک میں محفوظ کر لیتا اور دوسرا صفحہ ٹائپ کرتا اور یوں پوری کہانی ٹائپ کر کے پرنٹر کے ذریعے کاغذ پر منتقل کر لیتا۔ مگر اس دن جب ایک صفحہ ٹائپ کرنے کے بعد کمپیوٹر کو کتابت کی غلطیاں تلاش کرنے کی ہدایت کرنے کے لئے کی بورڈ کی ایک کی دبائی تو کمپیوٹر کی اسکرین پر لال رنگ کی ایک چوڑی سی پٹی نمودار ہوئی جس پر موٹے حروف سے لکھا تھا۔

"تمہیں آج رات بارہ بجے قتل کر دیا جائے گا۔"

"میں نے فوراً کمپیوٹر آف کر دیا کیونکہ میں سمجھ گیا تھا کہ ڈسک میں کوئی وائرس آگھسا ہے۔ یہاں میں لگے ہاتھوں آپ کو کمپیوٹر وائرس کے متعلق تھوڑا سا بتا دوں کہ یہ دراصل ایک کمپیوٹر پروگرام ہی ہوتا ہے جس کے کئی مقاصد ہیں۔ یہ ڈسک کے محفوظ کرنے کے لئے بھی بنایا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ ڈسک کا پروگرام کوئی اور کاپی (نقل) نہ کر سکے۔ اگر ایسا وائرس ڈسک میں ہو تو پروگرام دوسری ڈسک میں کاپی نہیں ہونے دیتا۔ مگر کچھ شرارتی ذہن کے مالک لوگ ایسے کمپیوٹر وائرس پروگرام بھی بناتے ہیں جن کا مقصد دوسروں کے پروگراموں کو خراب کرنا یا کمپیوٹر میں گڑبڑ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اگر ایسا کوئی پروگرام بنا کر کسی ایک ڈسک میں ڈال دیا جائے تو وہ سینکڑوں ڈسکوں اور کمپیوٹروں کو خراب کر دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب وائرس زدہ ڈسک کمپیوٹر میں ڈالی جائے تو وائرس کمپیوٹر میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور پھر

اس میں لگائی جانے والی ہر ڈسک میں منتقل ہوتا جاتا ہے یا پھر اگر وائرس زدہ ڈسک میں سے کوئی اور پروگرام کسی دوسری ڈسک میں کاپی کیا جائے تو پروگرام کاپی ہونے کے ساتھ وائرس بھی کاپی ہو جاتا ہے۔ یوں ایک ڈسک سے دوسری سے تیسری اور سینکڑوں ڈسک وائرس زدہ ہو جاتی ہیں اسی لئے اب ایسے وائرس بنانا قابلِ سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔

اگر آپ کی ڈسک میں ایسا وائرس ہو تو کمپیوٹر اسکرین پر عجیب و غریب، مضحکہ خیز اور بے تکے قسم کے پیغامات نمودار ہونے لگتے ہیں، مثلاً "تم پاگل ہو" "ایڈیٹ" وغیرہ۔ ایسے موقع پر کمپیوٹر کو فوراً آف کر دینا چاہئے تاکہ وائرس پوری ڈسک کو خراب نہ کر دے۔

اسی لئے میں نے بھی اسکرین پر مذکورہ بالا جملہ نمودار ہوتے ہی کمپیوٹر آف کر دیا۔ حالانکہ اس طرح میں نے کہانی کا جو صفحہ ٹائپ کیا تھا وہ بھی ضائع ہو گیا تھا کیونکہ میں اسے محفوظ نہیں کر سکا تھا مگر پوری ڈسک خراب کروانے سے ایک صفحہ ضائع کروانا بہتر تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اس وائرس کے موجد کو بُرا بھلا کہتے ہوئے دراز میں سے اینٹی وائرس پروگرام کی ڈسک نکالی۔ اینٹی وائرس ایک ایسا کمپیوٹر پروگرام ہوتا ہے جو وائرس زدہ ڈسک میں سے وائرس کا پتا چلا کر اسے ختم کر دیتا ہے یعنی وائرس کے پروگرام کو مٹا دیتا ہے۔ میں نے اینٹی وائرس کی ڈسک کمپیوٹر میں لگائی اور وائرس زدہ ڈسک نچلے خانے میں لگائی اور کمپیوٹر آن کر دیا۔ پہلے اینٹی وائرس پروگرام کمپیوٹر میں لوڈ ہوا پھر اس نے وائرس زدہ ڈسک کا نقشہ دکھایا۔ ڈسک کے پانچ سیکٹروں پر وائرس نے قبضہ جما رکھا تھا۔ جس طرح ایک محلے میں بہت سے گھر ہوتے ہیں اور گھر میں لوگ رہتے ہیں اسی طرح ایک ڈسک میں بہت سے سیکٹر ہوتے ہیں اور ہر سیکٹر میں کوئی نہ کوئی پروگرام ہوتا ہے۔ جب وائرس کا پروگرام ڈسک میں کسی وجہ سے آگھستا تو وہ کچھ سیکٹروں کے پروگراموں کو ادھر ادھر دھکا دے کر خود ان میں قبضہ جما لیتا ہے۔ جس طرح کوئی بدمعاش کسی گھر کے مکینوں کو بزورِ طاقت باہر نکال کر خود گھر پر قبضہ جما لے۔ مگر ان بدمعاشوں کے لئے تو کوئی اینٹی بدمعاش بھی نہیں ملتا جو گھر خالی کروا لے، جبکہ کمپیوٹر میں یہ سہولت موجود ہے۔ ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ اینٹی وائرس نے وائرس زدہ سیکٹروں کی نشاندہی کی اور پھر ان سیکٹروں سے وائرس پروگرام کو مٹا کر ختم کر دیا اور جو پروگرام پہلے وہاں موجود تھے انہیں دوبارہ وہاں منتقل کیا۔

وائرس سے نجات ملنے پر میں نے سکون کا سانس لیا حالانکہ میں اینٹی ڈسک اور کمپیوٹر کو خاصی حفاظت سے رکھتا ہوں پھر بھی پتہ نہیں وائرس کہاں سے آگیا۔ شاید ابا جان نے کوئی وائرس والی ڈسک اس میں ڈال دی تھی کیونکہ وہ بھی بزنس کے معاملات کے لئے کمپیوٹر استعمال کرتے تھے۔

اینٹی وائرس ڈسک نکال کر میں نے دوبارہ

کہانی ٹائپ کرنی شروع کی مگر ابھی آدھا صفحہ بھی ٹائپ نہیں کیا تھا کہ اچانک پھر اسکرین پر وہی لال رنگ کی چوڑی پٹی نمودار ہوئی جس پر لکھا تھا۔

"تمہیں آج رات بارہ بجے قتل کر دیا جائے گا۔"

یہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ میں تو وائرس ختم کر چکا تھا پھر یہ دوبارہ کہاں سے آگیا۔ وائرس کوئی خود بخود تو پیدا نہیں ہوتا یہ تو کسی وائرس زدہ ڈسک کی وجہ سے کمپیوٹر میں آتا ہے اور میں وائرس زدہ ڈسک کو وائرس سے پاک کر چکا تھا۔ پھر وائرس نمودار ہونے کے کیا معنیٰ!! ؟ میں نے حیرت زدہ انداز میں کمپیوٹر آف کیا اور دوبارہ اینٹی وائرس ڈسک لگائی تو پتہ چلا کہ انہی پانچ سیکٹروں میں پھر وائرس موجود ہے۔ یہ ناقابلِ یقین سی بات تھی کہ وائرس جو ختم ہو چکا تھا پھر اسی جگہ موجود تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید میں نے صحیح طرح وائرس صاف نہیں کیا تھا (حالانکہ یہ سوچ بے حد کمزور تھی) مگر پھر بھی دوبارہ وائرس صاف کیا اور اچھی طرح اطمینان کیا کہ وائرس ختم ہو چکا ہے۔ پھر اینٹی وائرس ڈسک نکال دی اور ٹائپ کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میری آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں، اسکرین پر وہی لال پٹی اس منحوس پیغام کے ساتھ پھر موجود تھی "یہ..... یہ سب کیا تھا؟ یہ کیسی ان ہونی ہو رہی تھی!! کیا کوئی نئے قسم کا وائرس معرضِ وجود میں آچکا ہے جو ختم ہونے کے بعد خود بخود پھر پیدا ہو جاتا ہے" مگر یہ حلق سے اترنے والی بات نہ تھی کیونکہ خود بخود کوئی چیز معرضِ وجود میں نہیں آسکتی۔ میں نے تنگ آکر کمپیوٹر آف کیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ دو دو مرتبہ ختم کئے جانے کے باوجود وائرس جوں کا توں موجود تھا۔ میں نے سوچا کہ یا تو میرا کمپیوٹر خراب ہو چکا ہے یا پھر میرا دماغ..... مگر موخر الذکر خیال پر میرا یقین کمزور تھا۔ اس لئے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ صبح کسی کمپیوٹر انسٹرکٹر سے اپنا کمپیوٹر اور ڈسک چیک کرواؤں گا۔ اس کے بعد میں نے آٹھ سے دس بجے تک ٹی وی دیکھا اور پھر کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ میرا کمپیوٹر بھی اسی کمرے کے ایک کونے میں رکھا تھا۔ میں نے لائٹ آف کر دی تھی اور نیند کی پری کو آوازیں دے رہا تھا کہ اچانک کانوں میں ٹوں ٹوں کی آوازیں ابھریں۔ پہلے تو میں وہم سمجھا مگر دوبارہ آوازیں آنے پر میں چونکا۔ یہ ہلکی سی ٹوں ٹوں کی آواز اکثر کمپیوٹر میں گونجتی ہے مگر کمپیوٹر تو آف تھا۔ میں چارپائی سے اترا اور میز کی طرف بڑھا اور پھر میں زور سے اچھلا۔ ایک لمحے کو سرد سی لہر میرے وجود میں دوڑ گئی۔ کمپیوٹر آن تھا اور اسکرین پر وہی لال رنگ کی پٹی چمک رہی تھی اور وہی جملہ اس پر گویا تھرتھرا رہا تھا۔

"تمہیں آج رات بارہ بجے قتل کر دیا جائے گا۔"

(پھر کیا ہوا۔ آئندہ شمارے میں پڑھیئے۔)

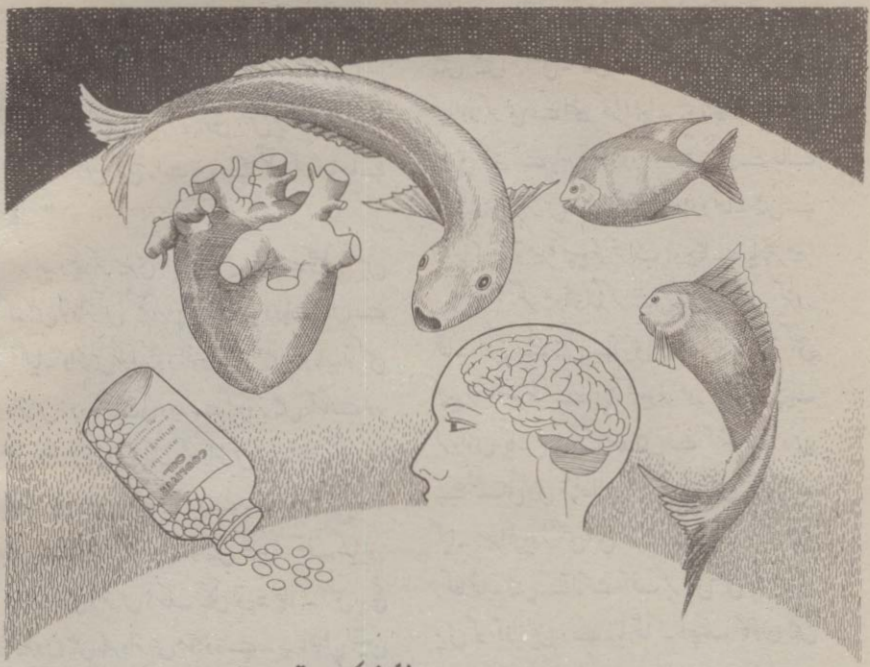

مچھلی کھائیے بیماریاں بھگائیے

محمد یوسف انجم

مچھلی کی بے شمار قسمیں ہیں بعض قسمیں زہریلی بھی ہوتی ہیں اور بعض کے جسم بجلی کے قمقمے کی طرح روشن ہوتے ہیں بعض اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ کوئی دوسرا جانور جسامت میں ان کے برابر نہیں ہوتا۔ مثلاً شارک۔ تاہم وہیل سب سے بڑا سمندری حیوان ہے۔ جسے غلط طور پر مچھلی خیال کیا جاتا ہے۔

مچھلی ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کی مرغوب غذا رہی ہے۔ اسکا گوشت قوت بخش اور زود ہضم ہوتا ہے۔ اور اس میں غذایت بخش اجزا وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ مچھلی کے گوشت میں فاسفورس کی موجودگی جسم کی پرورش کرنے کے علاوہ دماغ کو قوت دیتی ہے۔ ذہانت کی ترقی کے لئے ہمیشہ مچھلی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ مچھلی کو وٹامن اے اور ڈی کا خزانہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ دونوں وٹامن آنکھوں، جلد، دانتوں اور ہڈیوں کے

لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مچھلی کے گوشت میں وٹامن بی خصوصاً نیاسین اور بی ۶ بکثرت ہوتے ہیں۔ یہ حیاتین، لحمیات کے ہضم ہونے میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور جلد اور اعصابی نظام کی خرابیاں دور کرنے میں بھی مدد دے سکتے ہیں۔ مچھلی معدنیات فاسفورس، پوٹاشم، فولاد اور آئیوڈین بھی فراہم کرتی ہے۔ ککرمتا اور کیویار مچھلی میں فولاد زیادہ پایا جاتا ہے۔ مچھلی سے حاصل ہونے والا فلورائیڈ دانتوں کو مضبوط بناتا اور انہیں بیماریوں سے بچاتا ہے۔

یہ کہاوت کہ مچھلی دماغ کی غذا ہے۔ بالکل درست ثابت ہوئی ہے۔ آج کل دل کی بیماریاں عام ہیں۔ اگر آپ دل کے دورے سے بچنے کے لئے کچھ کھانا چاہتے ہیں تو پھر مچھلی کھائیے۔ مچھلی خاص قسم کے روغنیات حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ جو غذا کو بدن کا حصہ بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ماہرین کی تحقیقات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ مچھلی کا تیل کولیسٹرول اور چربی کی مقدار کم کر کے عارضہ قلب میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔ خون کا گاڑھاپن بھی دل کے دورے کا باعث بنتا ہے۔ مچھلی کا تیل خون کو گاڑھا یا منجمد نہیں ہونے دیتا۔ انجماد سے خون میں لوتھڑے بن جائے ہیں جو دل کے دورے کا بڑا سبب ہیں۔ حالیہ تحقیق کے مطابق اومیگا تھریز بلڈ پریشر کم کرتے اور جلدی بیماریوں مثلاً چنبل اور خارش سے محفوظ رکھتے ہیں۔

سوزش اور جوڑوں کے درد کی تکلیف کو کم کرتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دماغی نشوونما میں مدد دیتے ہیں۔

پرہیزی غذا کھانے والے بیشتر افراد جانتے ہیں کہ مچھلی کم حراروں والی پروٹین حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ایک پکی ہوئی سفید مچھلی کا ایک سو گرام کا ٹکڑا ایک بالغ شخص کو مجوزہ غذا کی ایک تہائی پروٹین مہیا کرتا ہے۔ تاہم اس میں ایک سو سے کم حرارے ہوتے ہیں اور جدید تحقیق نے بھی ظاہر کر دیا ہے کہ صحیح قسم کی مچھلی کھانے سے دل کی بیماریوں کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔ ایک مچھلی میں پائے جانے والے کل روغنیات میں فقط گیارہ سے ستائیس فی صد سیر شدہ چربی ہوتی ہے۔ جبکہ گائے کے گوشت میں اس کی مقدار اڑتالیس فی صد ہوتی ہے۔ یاد رہے کیمیائی اصطلاح میں منجمد چکنائی سیر شدہ کہلاتی ہے۔ مثلاً مکھن اور حیوانی یا بناسپتی گھی۔ اس کے برعکس عام درجۂ حرارت پر نہ جمنے والے حیوانی یا نباتاتی تیل غیر سیر شدہ ہوتے ہیں۔

مچھلی کا تیل قلبی امراض کے علاج کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا ہے۔ حال ہی میں ہونے والی ایک تحقیق نے یہ واضح کیا ہے کہ دل کے دورے سے روبہ صحت ہونے والے ۲۰۳۳ افراد میں سے ایک تہائی وہ لوگ تھے جو ہفتے میں ایک یا دو بار مچھلی کھاتے تھے۔ اسی طرح جنوبی ویلز کے ڈاکٹروں کی ریسرچ کے مطابق دل کے دورے کا شکار ہونے

والے ایسے افراد میں موت کی شرح ۲۹ فی صد کم تھی جو ہر ہفتے ۲۰۰ گرام سے ۴۰۰ گرام تک مچھلی کھاتے تھے۔ لیکن مچھلی کے تیل کا استعمال بہت زیادہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے وزن بڑھ جاتا ہے۔

زیادہ مچھلی کھانے کی تاکید کرنی چاہئے

سمندر اور بہتے ہوئے پانی کی مچھلی بہترین سمجھی جاتی ہے۔ جھیل تالاب اور جوہڑ کی مچھلیاں بجائے صحت دینے کے نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ باسی اور کچی پکی مچھلی کھانے سے بدہضمی اور فساد خون کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ اس لئے مچھلی ہمیشہ تازہ کھانی چاہئے۔ تازہ مچھلی کی پہچان یہ ہے کہ اس کی آنکھ کے ڈھیلے ابھرے ہوئے ہوتے ہیں اور گل پھڑے شوخ گلابی رنگ کے۔

آپ بھی اپنی خوراک میں مچھلی کو ضرور شامل کیجئے اور دل کی بیماریوں سے محفوظ رہئے۔

پاکستان کے تمغے اور اعزازات

۱۔ نشانِ حیدر
۲۔ نشانِ پاکستان
۳۔ نشانِ شجاعت
۴۔ نشانِ امتیاز
۵۔ نشانِ قائداعظم
۶۔ نشانِ خدمت
۷۔ ہلالِ پاکستان
۸۔ ہلالِ جرأت
۹۔ ہلالِ شجاعت
۱۰۔ ہلالِ امتیاز
۱۱۔ ہلالِ قائداعظم
۱۲۔ ہلالِ خدمت
۱۳۔ ستارۂ خدمت
۱۴۔ ستارۂ شجاعت
۱۵۔ ستارۂ قائداعظم
۱۶۔ تمغۂ پاکستان
۱۷۔ تمغۂ جرأت
۱۸۔ تمغۂ امتیاز
۱۹۔ تمغۂ شجاعت
۲۰۔ تمغۂ امتیاز
۲۱۔ تمغۂ قائداعظم "اوّل"
۲۲۔ تمغۂ قائداعظم "دوئم"
۲۳۔ تمغۂ بسالت "اوّل، دوئم"
۲۴۔ تمغۂ قائداعظم پولیس میڈل
۲۵۔ پاکستان پولیس میڈل برائے شجاعت
۲۶۔ تمغۂ خدمت "شہری"
۲۷۔ تمغۂ خدمت "فوجی درجہ دوئم"
۲۸۔ تمغۂ خدمت "فوجی درجہ سوئم"
۲۹۔ قائداعظم پولیس میڈل برائے نمایاں خدمات
۳۰۔ پاکستان پولیس میڈل برائے نمایاں خدمات
۳۱۔ تمغۂ دفاع
۳۲۔ تمغۂ آزادی پاکستان
۳۳۔ تمغۂ یوم جمہوریہ پاکستان

علم اور مال

ضیغم جیدی

یوں تو اپنی جگہ ہے مال وزر
علم ہے مال سے کہیں بہتر
علم نبیوں کا آستانہ ہے
مال فرعون کا خزانہ ہے
علم سے قلب و روح نورانی
مال ہے باعثِ پریشانی
خرچ سے علم اور بڑھتا ہے
مال تو خرچ سے سمٹتا ہے
علم ہے آپ اپنا چوکیدار
مال کو پہرے دار ہے درکار
علم کی قید میں زمانہ ہے
علم اک قیمتی خزانہ ہے

علم ہے ایسا قیمتی موتی
روشنی جس کی کم نہیں ہوتی

بچاؤ

گیارہویں قسط

بچوں کے مقبول مصنف اشتیاق احمد کے قلم سے

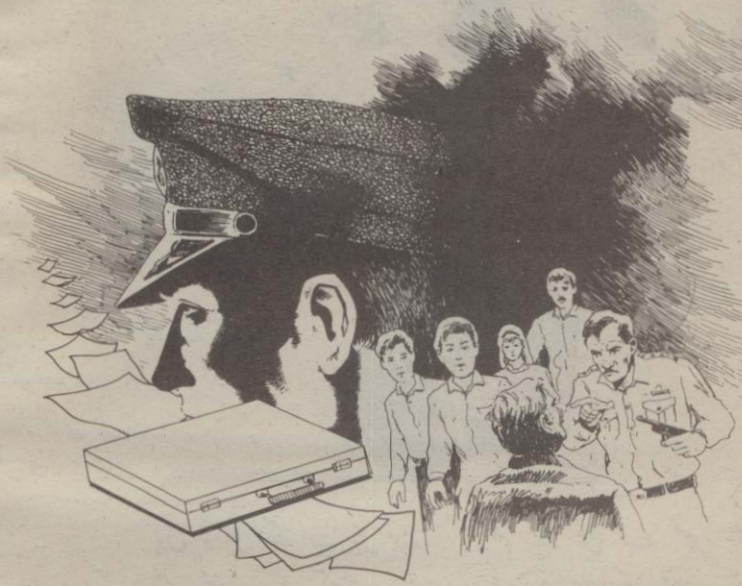

انسپکٹر جمشید کی غیر موجودگی میں بچے گھر پر اکیلے تھے کہ پروفیسر عمران جاہ زخمی حالت میں گھر کے اندر داخل ہوئے۔ دشمن بھی ان کے تعاقب میں یہاں آن پہنچا۔ ایک طویل ذہنی اور جسمانی جنگ کے بعد بالآخر دشمن کو قابو کر لیا گیا۔ انسپکٹر جمشید واپس گھر پہنچے تو میدان صاف ہو چکا تھا۔ تمام حالات معلوم کرنے کے بعد وہ فوج کی مدد سے اپنے ساتھیوں سمیت شہر کی محفوظ ترین عمارت میں منتقل ہو گئے۔ انشارجہ کا زلزلہ بہت چالاک تھا۔ وہ پے در پے چالیں بدل کر عمارت کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے لئے اسے انسپکٹر جمشید کو نیلی روشنی کے ذریعے بے بس کرنا پڑا تھا۔ وہ خود انسپکٹر جمشید کے میک اپ میں تھا۔ عمارت میں داخل ہونے کے بعد پیکٹ حاصل کرنا اس کے خیال میں آسان سا کام تھا مگر بظاہر معصوم بچے اس کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوئے۔ رابل نے طیش میں آ کر پروفیسر عمران جاہ پر فائر جھونک مارا اور وہ ایک چیخ مار کر فرش پر گر پڑے۔

(اب آپ آگے پڑھئے)

"اف مالک!" کمانڈر انچیف نے گھبرا کر کہا اور پروفیسر عمران جاہ کی طرف لپکے۔

"خبردار..... کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے..... مجھ پر اب خون سوار ہو چکا ہے۔ پروفیسر عمران جاہ کو میں ہلاک کر چکا ہوں..... اب صرف پیکٹ حاصل کرنے کا کام باقی ہے..... اور ہاں..... مسٹر کمانڈر انچیف..... تم بھی جاؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنا رخ کمانڈر انچیف کی طرف پھیرا۔ ..... عین اس وقت وہ اوندھے منہ گرا..... ساتھ ہی محمود، فاروق اور فرزانہ نے اس کی کمر پر چھلانگیں لگا دیں..... پستول تو گرتے ہی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ کیپٹن سام نے پستول کی طرف چھلانگ لگائی، لیکن وہ بھی اوندھے منہ گرا۔

"کیوں مسٹر رابل ..... کیسی رہی؟" محمود مسکرایا۔

"لیکن ..... مجھے پیچھے سے دھکا کس نے دیا تھا؟..... اور یہ کیپٹن سام کو کیا ہوا؟" اس نے مڑ کر دیکھا۔ سام بالکل بے ہوش ہو چکا تھا۔

"آپ کے مقتول نے۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب!؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ پروفیسر عمران جاہ نے آپ کو دھکا دیا تھا۔ اور سام کو بھی..... وہ دیکھئے..... ایک طرف کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اور اب آپ کا پستول بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ کم از کم اپنے پستول کو تو کچھ سمجھایا کریں۔" فاروق کی آواز شوخ ہو گئی۔

اس نے سر گھما کر دیکھا..... پروفیسر عمران جاہ بالکل درست حالت میں کھڑے تھے۔ ان کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی نظر نہ آئی۔ "اوہ! سمجھ گیا ..... بُلٹ پروف لباس پہن رکھا ہے۔ ..... اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں آنکھ کا نشانہ لیتا۔"

"سمجھ گئے ہیں تو یہ بات اپنے تک رکھیئے گا ..... کسی کو بتایئے گا نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"ویسے مسٹر رابل..... آپ آنکھ کا نشانہ لے کر بھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔"

"اوہو! تو کیا آنکھوں پر بھی بلٹ پروف شیشے چڑھے ہوئے ہیں؟"

"اس بات کو چھوڑیں ..... اپنی بات کریں ..... اب ہم آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں؟"

"وہی جو سکندر نے راجہ پورس سے کیا تھا۔"

"ملک دشمنوں کو معاف نہیں کیا جاتا ..... ارے ہاں..... پہلے ان حضرت کا میک اپ اتار کر اصل چہرہ تو دیکھ لینا چاہیے۔"

"دیکھ لیتے ہیں ..... ایسی بھی کیا جلدی ہے ..... بلکہ میں تو کہتا ہوں ..... صدر صاحب کے آنے پر اتاریں گے اس کا میک اپ۔"

"لیکن بھئی ..... ہمیں انسپکٹر جمشید صاحب کا بھی تو کچھ کرنا چاہیے۔" کمانڈر انچیف

بڑبڑائے۔

"آپ ان کی فکر نہ کریں ..... وہ ان کی قید سے خود بخود چھوٹ کر آجائیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"رابل ..... انشارجہ کا زلزلہ ..... اس وقت ہمارے سامنے بے بس پڑا ہے ..... بہت نام ....."

ان الفاظ کے ساتھ ہی کمرے میں گویا زلزلہ آگیا ..... رابل کسی طوفان کی طرح اٹھا تھا۔ وہ سیدھا پروفیسر عمران جاہ سے ٹکرایا ..... پستول ان کے ہاتھ سے بھی نکل گیا .....

رابل نے پستول کی طرف کوئی توجہ نہ دی ..... وہ ان تینوں کی طرف بڑھا اور ان سے ٹکرا گیا۔ اس کا یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ ہر کوئی گڑبڑا گیا ..... اور اسی چیز سے اس نے فائدہ اٹھایا ..... محمود کی ٹھوڑی پر اس کا ایک مُکّا لگا۔ فاروق کے پیٹ میں لات لگی اور فرزانہ کے کندھے پر ایک دھپ ایسی لگی کہ وہ دور جاکر گری ..... ساتھ ہی وہ کمانڈر انچیف کی طرف مڑا ..... وہ اس وقت تک مقابلے کے لئے پوری طرح پوزیشن میں آچکے تھے۔

"آؤ مسٹر رابل ..... میں تمہارے لئے سیدھی کھیر ثابت نہیں ہو گا۔"

"اور مجھے شوق بھی ٹیڑھی کھیر کا ہے۔" وہ تب اُچھلا اور ان پر جاگرا۔

کمانڈر انچیف نے بچنے کے لئے جھکائی دینے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس کے نیچے آنے سے نہ بچ سکے ..... ساتھ ہی اس نے ان کی گردن پر ایک ہاتھ دیا ..... اور انہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔

"اب آپ ایک گھنٹے سے پہلے حرکت کرنے کے قابل نہیں ہو سکیں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ محمد حسین آزاد کی طرف بڑھا۔

"نن ..... نہیں ..... نہیں۔" محمد حسین آزاد نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"ایسے ایسے کمزور دل کے آدمی انسپکٹر جمشید نے اپنے عملے میں رکھے ہوئے ہیں۔" رابل ہنسا۔ ساتھ ہی محمد حسین آزاد کی ٹھوڑی پر ایک مکا لگا ..... اور وہ ساکن ہو گیا۔

"اب صرف پروفیسر عمران جاہ ..... آپ بچے ہیں۔"

"نن ..... نہیں ..... نہیں پروفیسر عمران جاہ بے چارے لڑنا بھڑنا کیا جانیں؟ ..... مجھ سے تو تم دور ہی رہو۔"

"ضرور دور رہ سکتا ہوں ..... لیکن پہلے پیکٹ کے بارے میں بتائیں ..... وہ کہاں ہے؟"

"اس کے بارے میں ان تینوں کو پتا ہے ..... بلکہ ان میں سے بھی ایک کو ..... اور وہ ایک کون ہے؟ ..... میں تو یہ بھی نہیں جانتا۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھی بات ہے ..... اب میں ان تینوں کو پیس کر رکھ دوں گا ..... آپ کے سامنے ..... آپ

سے سب سے آخر میں نپٹوں گا تاکہ آپ دیکھ لیں ..... آپ کی اس کوشش کا انجام کیا ہوا۔"

"نن نہیں..... تت..... تم..... انہیں کچھ نہ کہنا..... یہ..... یہ بہت اچھے بچے ہیں..... شریف بچے ہیں۔"

"یہ اور اچھے بچے! ..... جرائم پیشہ لوگوں کی نظر میں یہ زہر ہیں زہر۔" اس نے جل کر کہا۔

"لیکن مسٹر رابل ..... آپ تو ہمارے ملک کے جرائم پیشہ نہیں ہیں..... آپ نے یہ بات جل کر کیوں کہی؟"

"مجھے ان کے ساتھ ہمدردی تو ہے نا!" وہ مسکرایا۔

اب وہ ان کے مقابل کھڑا تھا۔ ان سے کافی لمبا چوڑا لگ رہا تھا۔

"تمہارے لئے آخری موقع ..... ورنہ اس کے بعد میں تم تینوں کی وہ دھنائی کروں گا کہ کسی نے کبھی روئی کو بھی نہیں دھنا ہوگا۔"

"یہ اس قدر گاڑھی اردو آپ کو کس طرح آگئی مسٹر رابل!؟"

"ہم جیسے لوگوں کو ہر ملک کی زبان پر عبور حاصل کرنا پڑتا ہے۔"

"تو اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ چیز..... یعنی وہ پیکٹ ہم آپ کے حوالے کر دیں؟"

"ہاں! اس کے سوا میں کیا چاہوں گا بھلا؟"

"اچھی بات ہے..... آپ یہیں ٹھہریں..... میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"تو وہ چیز تم نے چھپائی ہے..... جلدی لے کر آؤ۔"

محمود تیر کی طرح دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جونہی وہ گیا..... فاروق ہنسنے لگا۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"وہ آپ کو الو بنا گیا۔"

"کیا مطلب!؟..... تو کیا پیکٹ اس نے نہیں چھپایا تھا؟"

"نن..... نہیں..... مجھے اجازت دیں..... میں لے آتا ہوں۔"

"تم لوگ بھی عجیب ہو جاؤ ..... جلدی کرو۔" اس نے غرا کر کہا۔

فاروق بھی فوراً چلا گیا۔

"بہت تیز ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کس کی بات کر رہی ہو؟" رابل نے اسے گھورا۔

"کم از کم آپ کی نہیں کر رہی۔"

"کیا بکواس ہے....." وہ چلایا۔

"میں ان دونوں کی بات کر رہی ہوں..... دراصل پیکٹ میں نے چھپایا تھا۔ لیکن چھپایا اسی کمرے میں تھا جس میں وہ دونوں گئے ہیں..... مطلب یہ کہ اب انہوں نے دوسری طرف سے دروازہ بند کر لیا ہے..... پیکٹ میں نے چھپایا ہے..... لیکن دوسرے کمرے میں نہیں جا سکتی..... اور انہوں نے چھپایا نہیں ..... لہٰذا وہ لا نہیں

سکتے۔"

"تت۔..... تم میرا دماغ خراب کر دو گے۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو اور چاہئے کیا۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"کیسا ہو جائے؟"

"یعنی ..... کہ آپ کا دماغ خراب ہو جائے۔"

"شٹ اپ!" وہ غرایا اور دروازے پر جا کھڑا ہوا..... دروازے پر دو تین ٹھوکریں مار کر اس نے کہا

"دروازہ کھول دو..... ورنہ میں تمہاری بہن کو گولی مار دوں گا۔"

"ضرور مار دو..... جتنے لوگوں کو گولی مار سکتے ہو، مار دو..... ہمیں کوئی پروا نہیں..... اس لئے کہ ہم اس کمرے میں پیکٹ کے ساتھ موجود ہیں..... اگرچہ نہیں جانتے..... پیکٹ کہاں ہے۔"

رابل نے غصے میں آکر دروازے پر گولیاں برسا دیں۔

"بے چارے دروازے پر غصہ اتار رہے ہیں ..... لیکن ان دروازوں کا آپ کچھ نہیں بگاڑ سکتے ..... اس عمارت میں ہمیں بلاوجہ تو نہیں ٹھہرایا گیا۔" محمود کی آواز سنائی دی۔

"میں واقعی ان لوگوں کو گولیاں مارنے لگا ہوں ..... اگر تم نے دروازہ نہ کھولا۔"

"اب آپ ان لوگوں کو گولیاں مار ہی دیں ..... کان پک گئے ہیں سنتے سنتے۔" فاروق بولا۔

رابل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا..... اس نے فرزانہ کا نشانہ لیا اور لگا ٹریگر دبانے ..... ایسے میں پروفیسر جاہ نے ایک پیپر ویٹ اٹھا کر اس ہاتھ پر دے مارا ..... پیپر ویٹ نشانہ پر لگا ..... پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ..... اور وہ فرزانہ نے دبوچ لیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو مسٹر رابل ..... تمہارا کیس اب ختم ہے ..... تم بُری طرح ناکام ہو چکے ہو۔"

اس کے ہاتھ مشینی انداز میں اوپر اٹھ گئے۔

"کیا ہوا ہے فرزانہ؟"

"یہ اب میری زد پر ہے۔ ..... پستول میرے ہاتھ میں ہے۔"

"ہم کیا کریں؟" محمود بولا۔

"آرام۔" فرزانہ نے کہا۔

"نہیں..... پہلے رابل کو باندھ لینا چاہئے۔" پروفیسر عمران جاہ نے کہا۔

"ویسے یہ کمال آپ نے دکھایا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

رابل حیرت زدہ انداز میں پروفیسر عمران جاہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"محمود..... فاروق..... تم دونوں آجاؤ ..... آخر اس بے چارے کو باندھنا بھی تو ہے۔"

"تم..... تم مسٹر رابل کے بے چارہ کہہ رہی

ہو!؟"

"ہاں ..... اس لئے کہ اس وقت یہ بے چارہ نہیں تو اور کیا ہے؟"

دروازہ کھلا ..... محمود اور فاروق اس طرف آ گئے۔

"اسے باندھنا ہے۔"

"باندھ چکے تم تو....." رابل بولا۔

"باندھ چکے ..... اچھا کمال ہے ..... وہ رسیاں ہمیں نظر نہیں آ رہی ہیں ..... جن سے ہم باندھ چکے ہیں!"

"یہ کام تمہارے بس کا نہیں۔"

"کیا خیال ہے ..... میں مدد کروں۔" پروفیسر عمران جاہ نے کہا۔

"آپ ..... آپ بھلا اس سلسلے میں کیا مدد کریں گے؟"

"تم تینوں مل کر اسے قابو میں کر لو ..... میں رسیوں سے باندھ دیتا ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے ..... لیکن اس طرح مجھے پستول ہاتھ سے رکھنا پڑے گا۔" فرزانہ نے کہا۔

"پستول تم مجھے دے دو۔" وہ بولے۔

فرزانہ نے پستول انہیں دے دیا، انہوں نے اس کا رخ رابل کی طرف کر دیا۔

"دیکھو مسٹر رابل ..... میرا نشانہ تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

"ہاں دیکھ چکا ہو۔" اس نے کہا۔

"لہٰذا حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

رابل انہیں گھور کر رہ گیا ..... اب تینوں نے اسے گھیر لیا ..... اور باندھنے کی کوشش کرنے لگے ..... ان کی کوشش بالکل اس انداز کی تھی جیسے قربانی کے کسی بڑے جانور کو چار پانچ قصاب مل کر گھیرتے ہیں اور پیروں میں رسی باندھ کر اسے گراتے ہیں۔

"مسٹر رابل ..... اب ہم آپ کو رسی ڈال رہے ہیں ..... بچ سکتے ہیں تو بچ کر دکھائیں۔" محمود نے کہا۔

"یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔" فاروق جل کر بولا۔

اقوال زریں

- ..... اگر کوئی تمہیں تنگ کرے تو تم اس پر احسان کرو۔
- ..... سوال کرنے سے آدمی کی عزت گر جاتی ہے۔
- ..... اگر دشمن کے ساتھ نیکی کر سکتے ہو تو اسے ترک نہ کرو۔
- ..... اچھی سیرت عمر بھر ساتھ دیتی ہے۔
- ..... انسان کا پیٹ اس کا دشمن ہے۔
- ..... بھلائی کرو معلوم نہیں کس کام آئے۔
- ..... غربت انقلاب اور جرم کی ماں ہے۔

مرسلہ:۔ جہانگیر احمد ملک، تلہ گنگ

"بس یار ...... ایسے ہی یہ بات منہ سے نکل گئی۔" محمود نے منہ بنایا۔

محمود نے رسی کے سرے پر ایک پھندا بنا لیا اور اسے گھما کر رابل کے سر کی طرف پھینکا۔ رابل نے جھکائی دی...... ایسے میں رسی کا پھندا اس کے ہاتھ میں آ گیا...... فوراً ہی اس نے جھٹکا دیا...... محمود گویا ہوا میں تیرتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا...... تاہم وہ چوٹ سے بچ گیا...... کیونکہ اس نے ہاتھ آگے کر لئے تھے۔ "بھئی واہ ہوا میں تیرنے کا مزا آ گیا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

رسی اب رابل کے قبضے میں تھی...... اور وہ اسے گھما رہا تھا...... جیسے پھندا ان تین میں سے کسی ایک کے سر پر پھینکنا چاہتا ہو۔ "یہ دیکھ کر پروفیسر عمران جاہ غرائے۔

"خبردار...... کیا تم بھول گئے مسٹر رابل کہ پستول میرے ہاتھ میں ہے۔"

"یاد ہے اچھی طرح...... تو پھر؟"

"پھر یہ کہ میں فائر کر دوں گا۔"

"کر دیں فائر...... ذرا میں آپ کی کاری گری دیکھنا چاہتا ہوں!"

"کیا مطلب......؟ کیا میرا نشانہ خطا جائے گا؟"

"ہاں بالکل!" اس نے کہا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے فائر کر دیا...... کمرے میں رابل کی چیخ گونج اٹھی۔

(پھر کیا ہوا...... آئندہ شمارے میں پڑھئے)

بچوں کے مشہور و معروف مصنف
اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

۳۱ ــ دلدل میں سمندر ــ خاص نمبر ــ ۷۵ روپے
۲۲ ــ چوٹ پر چوٹ ــ انسپکٹر جمشید سیریز ــ ۱۰
۲۹ ــ خونی محل ــ " ــ ۱۰
۱۲ ــ تصویر کی دھمکی ــ انسپکٹر کامران مرزا سیریز ــ ۱۰
۱۳ ــ قاتل گروہ ــ شوکی سیریز ــ ۱۰
۲۱ ــ دہشت کا جہنم ــ نئی نسل نیا ادب ــ ۱۰
۲۲ ــ جہنم سے فرار ــ " ــ ۱۰

۳۰ دسمبر ۱۹۹۳ئ
کو آپ کے شہر میں ہر بڑے بک سٹال پر دستیاب
یا
پھر براہِ راست خط لکھ کر ادارے سے بذریعہ وی پی منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں
لاہور، ــ فون ۳۲۱۵۳۷

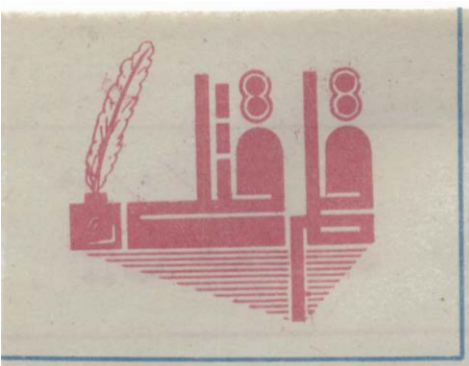

روشنی

محمد نجم الثاقب، کراچی

ایک مرتبہ سفر میں آپؐ نے صحابہؓ سے بکری پکانے کو کہا۔

ایک صحابیؓ نے کہا۔

"میں اسے ذبح کروں گا!"

دوسرے صحابیؓ نے کہا۔ "اس کی کھال میں اتاروں گا!"

تیسرے صحابیؓ نے ارشاد کیا "میں اسے پکاؤں گا!"

یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا "میں جنگل سے لکڑیاں چُن کر لاؤں گا!"

صحابہؓ نے یہ سُنا تو عرض کیا۔ "ہم لوگ لے آئیں گے ہم کافی ہیں!"

آپؐ نے فرمایا۔

"بے شک تم کافی ہو، یہ کام کر لوگے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں اپنے لئے امتیازی برتاؤ روا رکھو، اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرماتا ہے کہ اس کا کوئی بندہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے۔"

تاریخ کے دھارے

اورنگزیب عالمگیر مُغلیہ خاندان کا بہت نامور، دیندار، نڈر اور عقلمند حکمران گزرا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کا بہترین انتظام کیا ہوا تھا اور دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ نہایت ایماندار تھا اور اپنے خزانے میں سے ایک پیسہ نہیں لیتا تھا۔ اورنگزیب قرآن مجید لکھ کر گزارہ کرتا تھا۔

وہ پکّا مذہبی اور نہایت دلیر بھی تھا۔ ہر طرف اس کی بہادری کے قصّے مشہور تھے۔ اس کی بہادری کا ایک قصّہ نہایت مشہور ہے۔ وہ ایک مرتبہ کسی جنگی مُہم پر جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ سپاہی تھے۔ اس کا گزر ایک جنگل سے ہوا۔ انہوں نے کچھ دیر جنگل میں قیام کیا۔ سپاہی اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ اورنگزیب نماز ادا کرنے لگا۔ جب وہ نماز ادا کر رہا تھا تو اسے شیر کی گرج سنائی دی۔ اس نے سوچا کہ شیر ادھر کا رُخ نہیں کرے گا بلکہ جنگل میں غائب ہو جائے گا لیکن شیر کی آواز قریب آتی گئی۔

اس نے آنے والے خطرے کو بھانپ لیا اور سلام پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ عین اسی لمحے شیر وہاں پر آن پہنچا۔ اورنگزیب نے جلدی سے تلوار سُونت لی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ شیر نے زبردست حملہ کیا۔ اورنگزیب ایک طرف ہٹ گیا اور شیر جھاڑیوں میں جا گرا۔ اورنگ زیب نے اسی لمحے کو بہتر جانا اور تلوار کا بھرپور وار شیر کے پیٹ پر کیا۔ شیر کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

جب باقی سپاہی ادھر آئے تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ ایک طرف شیر کی لاش پڑی ہے اور دوسری طرف بادشاہ نماز ادا کر رہا ہے۔

اورنگزیب نے بعد میں سپاہیوں کو بتایا کہ ایک شیر ادھر آ نکلا تھا چناں چہ میں نے اس کا کام تمام کر دیا، اس میں حیرانی و پریشان کی کوئی بات نہیں۔

سپاہی اپنے بادشاہ کی بہادری پر عش عش کر اُٹھے۔

انجام

ساجد الرحمٰن، کراچی

شام کے سائے میں خیرو مالی باغ میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اس وقت وہ نہ جانے کن خیالوں میں گم تھا۔ اسے اپنے بیتے ہوئے اچھے دن یاد آرہے تھے، جب وہ شیخ ابراہیم موسیٰ کے ہاں کام کرتا تھا۔ کتنا خوش تھا۔ وہ شیخ جی کے ہاں۔ شیخ صاحب اس پر کیسے مہربان تھے، اس کا کتنا خیال رکھتے تھے، اس کے کام کی کتنی قدر کرتے تھے اور وہ کیسی بُری گھڑی تھی جب وہ اس شہر سے جانے لگے تو اسے ان جیسے شریف آدمی کی نوکری سے الگ ہونا پڑا تھا۔ اور اب وہ جس شخص کے ہاں کام کر رہا تھا گلزار خان کے پاس تو یہ شیخ ابراہیم موسیٰ کے مقابلے میں بالکل ضد تھا۔ بہت کنجوس، بد مزاج اور چڑچڑا۔ بہت ناشکرا۔ چاہے کوئی کتنی ہی محنت کر لے چاہے کتنا ہی کام کر لے پر اس کا منہ سیدھا نہیں ہوتا تھا۔ اس کا بیٹا قادر خان باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ خیرو مالی ان دو پاٹوں کے بیچ میں پس رہا تھا مگر وفادار تھا۔ سب تکلیفیں جھیل رہا تھا اور منہ سے اُف نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم پودوں کو پانی دے رہا تھا اتنے میں ایک نرم سی آواز نے اسے چونکا دیا اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تو ایک معزز آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے پوچھا کہ تم خیرو مالی کو جانتے ہو۔ خیرو فوراً بولا: "میں ہی ہوں خیرو مالی۔ کیا بات ہے سرکار؟ میرے لائق کوئی خدمت"! اس معزز آدمی نے پوچھا۔ "شیخ ابراہیم موسیٰ کو جانتے ہو؟" اپنے پرانے آقا کا نام سن کر خیرو کا چہرہ خوشی سے کھل گیا بولا: "میں خوب جانتا ہوں بھلا انہیں نہ جانوں گا۔ برسوں ان کا نمک کھایا ہے۔ خدا ان کی سی عادت سب کو عطا کرے۔" معزز آدمی نے خیرو کی طرف غور سے دیکھا اور یہ اطمینان کر کے

کہ جو خلیہ اسے بتایا گیا تھا خیرو بالکل ویسا ہی ہے۔ بہت غمگین آواز میں کہا۔ "تمہیں یہ سُن کر افسوس ہو گا کہ شیخ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں ان کا بھانجا ہوں۔" خیرو کو یہ سُن کو ایک دھکّا لگا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ اس دُنیا میں اس کا کوئی سہارا باقی نہیں رہا۔ پھر وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ "ماموں جان مرتے ہوئے تمہیں دعائیں دے گئے ہیں۔" پھر اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی "اس میں پچیس ہزار روپیہ ہے تم نے شیخ صاحب کی بہت محنت، ایماندار اور وفاداری سے خدمت کی ہے یہ اس خدمت کا انعام ہے۔" خیرو پیسے لینا نہیں چاہتا تھا لیکن معزز آدمی ضد کر کے تھیلی اس کے حوالے کر کے چلا گیا۔ خیرو پیسوں کو محفوظ مقام پر رکھنا چاہتا تھا۔

باغ میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو ایک جھاڑی نظر آئی جو گھنی اور ایک طرف تھی۔ سُرخ سُرخ پھولوں سے لدی ہوئی اس جھاڑی کے پیچھے ایک پرانا پیڑ تھا برگد کا بوڑھا پیڑ جس کی جڑ سے ذرا اوپر ایک کھوہ تھی بس یہی جگہ سب سے زیادہ محفوظ تھی۔

خیرو نے وہ روپوں کی تھیلی اس میں ٹھونس دی۔ اور اس پر ایک پتھر رکھ دیا۔ خیروں کو روپوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ قادر خان کہیں چھپا ہوا اسے تھیلی رکھتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ خیرو جونہی پیڑ کے پاس سے ہٹا قادر خان بچوں کے بل دوڑتا ہوا آیا اور چُپکے سے تھیلی نکال کر سیدھا باپ کے پاس پہنچا۔ اسے بتایا کہ یہ تھیلی خیرو مالی کی ہے وہ اسے کہیں سے اُڑا لایا ہے۔ لالچی باپ نے تھیلی بیٹے سے لی اور کہا "تم اطمینان رکھو یہ تھیلی میں بہت حفاظت سے رکھوں گا۔" پھر اس نے تھیلی ایک محفوظ مقام پر چھپا دی۔ اور جب خیرو اس کے سامنے آیا گلزار خاں نے چیختے ہوئے کہا "تم چور ہو" پھر اس نے خیرو کا حساب کرتے ہوئے کہا کہ وہ فوراً اس کا گھر چھوڑ دے۔

خیرو بے چارہ چلا گیا تو قادر خان بھاگا بھاگا اپنے باپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تھیلی کہاں چھپائی ہے؟

گلزار خاں نے بڑے اطمینان کے ساتھ بتایا "وہ جو گھاس والی جھاڑی ہے نا سُرخ سُرخ پھولوں سے لدی ہوئی، اس کے بالکل پیچھے ایک پُرانا برگد کا بوڑھا پیڑ ہے بس اسی پیڑ کی کھوہ میں۔" اتنا سُننا تھا کہ قادر خان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ گلزار خاں بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہوا۔ قادر خان کمزور آواز میں بولا "یہ کیا غضب کیا آبا۔ میں تھیلی وہیں سے تو نکال کر لایا تھا اور آپ نے وہیں دوبارہ رکھ دی۔" یہ سُن کر گلزار خان کو سکتہ ہو گیا پھر وہ پیڑ کے پاس پہنچے لیکن تھیلی وہاں نہیں تھی۔ روپیہ جس کا تھا اسے مل گیا تھا۔

ہم بچے

ارم حبیب

ہم پاکستانی بچے ہیں
لگتے سب کو اچھے ہیں
جگنو ہیں ہم تارے ہیں
سب کے راج دُلارے ہیں
آج ہمارا وعدہ ہے
مستقبل کا ارادہ ہے
علم کی دولت اپنائیں گے
اور مہذب کہلائیں گے
اپنے وطن کی شان بنیں گے
پیارے وطن کی جان بنیں گے
روشن اپنا نام کریں گے
جگ میں ایسا کام کریں گے
ہم جو وعدہ کرتے ہیں
اس کو پورا کرتے ہیں

ہم پاکستانی بچے ہیں
لگتے سب کو اچھے ہیں

معلوماتِ عامہ

مرسلہ: عاصم، پی اینڈ ٹی کالونی

- ...... دنیا کا پہلا فضائی حادثہ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۸ء میں ہوا۔
- ...... ۱۶۶۶ء میں لندن کی مشہور آگ پانچ روز تک جاری رہی۔
- ...... واسکوڈے گاما نے ۱۴۹۸ء میں یورپ سے ہندوستان کا بحری راستہ تلاش کیا۔
- ...... یورپ میں انقلاب کا سال ۱۸۴۸ء کو کہتے ہیں۔

مرسلہ: سید محمد اسامہ

قائدِ اعظم

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

○ ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہنا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے۔ اتنی ہی زیادہ خالص، پاکیزہ اور مضبوط قوم بن کر اُبھریں گے۔

○ میں آپ کو مصروفِ عمل رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔ کام کریں کام اور صرف کام۔

○ اس سے بہتر اور کوئی ذریعۂ نجات نہیں ہو سکتا کہ مسلمان صداقت کی خاطر شہید ہو جائے۔

○ اللہ نے پاکستان کو ہر چیز دے رکھی ہے۔ زمین پر کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسے تباہ کر سکے۔

○ مہذّب قومیں کبھی اخلاق اور انسانیت کے لبادے کو تار تار نہیں کرتیں۔

○ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا ہے۔

○ مسلمان دوسری قوموں سے الگ قوم ہیں۔ ان کا بنیاد... کلمہ توحید پر ہے۔

○ ..... پاکستان کے قومی ترانے کی دُھن "چھاگلہ" نے بنائی ہے۔

○ ..... پاکستان کا سب سے بڑا صحرا "تھرپارکر" ہے۔

○ ..... پاکستان کا قومی پھول "چنبیلی" کا ہے۔

مرسلہ: سید صدف مظفر، راولپنڈی

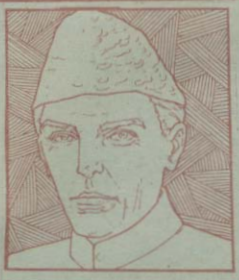

طالب علموں سے خطاب

میرے نوجوان دوستو! اب میں آپ ہی کو پاکستان کا حقیقی معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی باری پر کیا کچھ کر کے دکھاتے ہیں اس طرح رہیں کہ کوئی آپ کو گمراہ نہ کر سکے، کوئی آپ کو غلط طور پر استعمال نہ کر سکے۔ اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور استحکام پیدا کیجئے۔ آپ کا اصل کام کیا ہونا چاہئے۔ اپنی ذات سے وفا، اپنے والدین سے وفا، اپنی مملکت سے وفا اور اپنے مطالعے پر مکمل توجہ۔

مرسلہ: انور فراز، مکران

میں مجرم ہوں

مہوش سکندر، راولپنڈی

ہمارے گھر سے آگے اسلام آباد اور مری روڈ کے جنگل شروع ہوتے ہیں۔ کوؤں کے غول کے غول صبح ہمارے گھر کے اوپر سے اُڑتے ہوئے رزق کی تلاش میں یہاں سے گزرتے ہیں اور شام ہونے پر اسی طرح واپس جاتے ہیں۔

اپریل کے شروع کی بات ہے کوؤں کا ایک جوڑا باقاعدگی سے ہمارے گھر کی ٹیرس پر بیٹھنا شروع ہوا۔ ہر روز یہ جوڑا صبح سویرے کائیں کائیں کر کے سارے گھر کو جگا دیتا۔ باقی گھر والے تو ان کی کائیں کائیں سے تنگ تھے۔ مگر مجھے چونکہ پرندوں سے پیار ہے اس لئے میں انہیں بڑے شوق سے دیکھتی رہتی اور ان کو روٹی کے ٹکڑے ڈالتی۔ ان میں سے ایک کوا ذرا لنگڑا کر چلتا تھا۔ شاید اس کے پاؤں میں زخم تھا یا وہ ٹوٹا ہوا تھا۔

کوؤں کا جوڑا آہستہ آہستہ مجھ سے مانوس ہو گیا۔ باقی گھر والوں سے تو وہ ڈرتے تھے مگر میرے ہاتھ سے روٹی لے لیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ میری کرسی پر بھی آکر بیٹھ جاتے اور روٹی کا ٹکڑا میرے ہاتھ سے لے کر واپس چھت پر چلے جاتے۔ مجھے پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ محبت پرندوں اور جانوروں کو بھی دوست بنا دیتی ہے۔

ایک دن میں نے دوپہر کو دیکھا کہ وہ جوڑا ہمارے گھر کے سامنے بجلی کے کھمبے پر گھونسلا بنا رہا ہے۔ حالانکہ نزدیک درخت بھی تھے۔ میں حیران تھی کہ اتنی خطرناک جگہ پر گھونسلا بنانے کی انہیں کیا سُوجھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ کھمبا ہمارے گھر کے بالکل ساتھ تھا۔ شاید وہ میری دوستی کی وجہ سے مجھ سے دور نہیں جانا چاہتے

تھے۔ کچھ دن بعد میں نے دیکھا کہ ان کا گھونسلا مکمل ہو چکا تھا۔ بالکل سادہ سا، موٹی موٹی سوکھی شاخیں تھیں، درویشانہ اور فقیرانہ قسم کا گھونسلہ تھا ان کا۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے انڈے دیئے۔ کوّی انڈوں پر بیٹھی رہتی اور کوّا روٹی کی تلاش میں ہمارے گھر آتا۔

پھر ایک روز آسمان پر زبردست کالی گھٹا نمودار ہوئی۔ زور کی ہوا چلی اور مُوسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ آسمانی بجلی کی کڑک دل کو ہلا دیتی تھی۔ صبح سے رات گئے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ میں کوّوں اور ان کے ننھے ننھے بچّوں کے لئے بہت فکر مند تھی۔ میں نے انہیں بہت ترغیب دی کہ وہ کسی طرح برآمدے میں آجائیں۔ روٹی بھی ڈالی مگر وہ اپنے بچّوں کے اوپر بیٹھے انہیں بارش اور ہوا سے بچاتے رہے۔ شام کے بعد ایک زبردست دھماکہ ہوا بجلی کھمبے پر گری اور کوّوں کا گھونسلہ ان کے خاندان سمیت جل کر راکھ ہو گیا۔ بارش کے پانی میں کوّے کے جوڑے کے جلے ہوئے پر تیر رہے تھے جنہیں دیکھ کر میں رو پڑی۔ میری دوستی ہی کی وجہ سے انہوں نے گھر کے قریبی کھمبے پر گھونسلہ بنایا تھا اور میری دوستی ہی ان بے چاروں کی موت کا سبب بنی تھی۔

جانوروں کی عمریں

شیر	۷۰ سال
کتا	۱۲ سال
کوّا	۱۰۰ سال
کچھوا	۱۲۰ سال
گائے	۱۵ سال
خرگوش	۸ سال
ریچھ	۵۰ سال
سانپ	۱۰ سال
الّو	۸ سال
اونٹ	۱۵ سال
بکری	۱۵ سال
بلّی	۱۵ سال
بندر	۳۵ سال
بھیڑ	۱۲ سال
جیل	۳۰ سال
چیونٹی	۱ سال
چڑیا	۱۸ سال
گھوڑا	۱۶ سال
مرغی	۱۴ سال
وہیل مچھلی	۵۰۰ سال
مگرمچھ	۴۰۰ سال
ہاتھی	۱۰۰ سال
مور	۲۴ سال
تیتر	۱۵ سال
کبوتر	۸۰ سال

مرسلہ: فہیم عزیز، کراچی

پراسرار چور

شازیہ ارم

ایک روز ہمارے گھر والے ایک شادی میں گئے ہوئے تھے۔ وہ یہ بھی کہہ گئے تھے کہ ان کی واپسی ایک ہفتے بعد ہوگی کیونکہ ہمارے ان رشتہ دار کا گھر کراچی میں تھا اور ہم پشاور میں رہتے تھے۔ دن تو خیر سے گزر گیا۔ جب رات ہوئی تو خانسا ماں ہمیں کھانا وغیرہ دے کر اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔ ہم کھانا کھانے کے بعد سونے کے لئے لیٹے تو نیند نہیں آرہی تھی۔ خیر ہم "آنکھ مچولی" پڑھنے لگے، لیکن نیند تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ہم نے سوچا کہ چھت پر چلتے ہیں چناں چہ چھت پر چلے گئے۔ وہاں ہمیں ایسی آوازیں آئیں جیسے کوئی چل رہا ہو۔ ہم بہت حیران ہوئے اور خوفزدہ بھی۔ ہمارے ساتھ ہماری بہن نازلی بھی تھی۔ وہ بے چاری ڈر گئی، ہم چھت سے فوراً واپس آگئے۔

دوسرے دن اسکول سے آئے تو کھانا وغیرہ کھا کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد سوچا کہ ہوم ورک ختم کر لیں چناں چہ کاپیاں کتابیں لے کر کام کے لئے بیٹھ گئے۔ ہوم ورک ختم ہو گیا تو سوچا کہ کپڑے بدل لیں۔ الماری کھولی مگر وہ خالی تھی ہم بہت پریشان ہوئے۔ ملازمہ سے پوچھا اسے بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ اب ہمیں رات والا واقعہ یاد آنے لگا۔

ہم نے سوچا کہ اپنی دوست عینی کے گھر جا کر اسے ساری باتے بتاتے ہیں۔ چناں چہ وہاں چلے گئے۔ جاتے جاتے اپنی ہاتھ کی گھڑی کمرے میں چھوڑ گئے۔ دوست کے گھر جا کر اسے سارا واقعہ سنایا تو وہ بولی۔

"ہو سکتا ہے تمہارے گھر میں بھوت پریت رہتے ہوں..... اور یہ ان ہی کا کام ہو۔"

"نہیں بھئی! ایسا نہیں ہو سکتا ہم ویسے بھی بھوت پریت سے نہیں ڈرتے وہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔" حالاں کہ ہم دل ہی دل میں ڈر رہے تھے۔ "پیاری دوست! کیا تم ہماری مدد کرو گی؟ پلیز آج ہمارے گھر رک جاؤ ہم اس بات کا بھید کھولیں گے۔" پہلے تو ہماری دوست راضی نہ ہوئی مگر منت سماجت کرنے پر ہمارے ساتھ گھر آگئی۔ گھر آکر ہمیں اپنی گھڑی کا خیال آیا تو ہم گھبرا گئے کہ نہ جانے کہاں گئی؟ کمرے میں گھڑی تلاش کرنے لگے تو نہ ملی۔

ہم نے عینی کو اس نئی صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی گھبرا گئی۔

ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس چور کو ضرور پکڑیں گے جو چیزیں غائب کر رہا ہے۔ رات کو ہم نے چھت پر آہٹ سنی تو اوپر جا کر چھپ کر دیکھنے لگے۔

مگر یہ کیا؟ پتہ ہے چور کون تھا؟ یہ تو ہمسایوں کا پالتو بندر تھا اب تو ہم خوب ہنسے۔

عینی بولی "بھئی شازیہ! اسے کہتے ہیں کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔" ہم نے یہ بات ہمسایوں کو بتائی تو وہ بولے "ہم بھی یہی سوچ رہے تھے کہ ہمارا بندر سامان کہاں سے لاتا ہے؟ آپ کا سامان ہمارے پاس محفوظ ہے۔" انہوں نے ہمارا سامان اور گھڑی ہمیں واپس کر دی تو ہم ہنستے ہنستے گھر آگئے جب امی ابو آئے تو انہیں یہ قصہ سنایا تو وہ بھی خوب ہنسے۔

غور بہ غور

—— ظہیر احمد، ریڈیو پاکستان کالونی ——

○ — تین چیزوں پر ایمان رکھو۔ توحید، رسالت، قیامت۔

○ — تین چیزوں کا احترام کرو۔ والدین، اُستاد، قانون۔

○ — تین چیزوں سے کام لو۔ عقل، ہمت، جرأت۔

پتہ بے چارہ

مرسلہ ..... اسما بی بی، پشاور

ننھا سا اک پتہ
ٹہنی سے گر پڑا تھا
وہ پیڑ کا سہارا
پتہ وہ پیارا پیارا
کمزور تھا بہت ہی
حالت تھی اس کی ردّی
چُر مُر سا ہو گیا ..... وہ
گر پڑ کے سو گیا وہ
وہ پیڑ کا سہارا
پتہ وہ پیارا پیارا

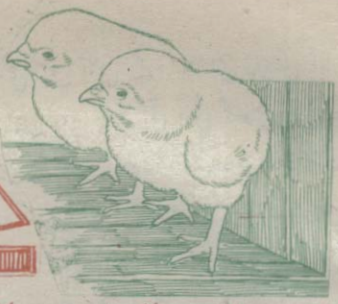

میرے چوں چوں نہیں آئینگے

سمیرا شفیق احمد، گجرات

دونوں چوزے روئی کی طرح نرم و ملائم تھے۔ بالکل اُون کے سفید گولوں کی طرح۔ وہ مجھے بہت اچھے لگتے تھے۔ میں انہیں ہاتھوں میں اٹھا لیتی اور ان پیارے پیارے چوزوں کا خوب پیار کرتی۔ وہ بھی مجھ سے مانوس تھے۔ میں زمین تھپتھپاتی اور منہ سے کُٹ کُٹ کُٹ کی آواز نکالتی تو وہ اپنی ننھی منّی ٹانگوں سے دوڑے دوڑے آتے اور میرے ہاتھوں پر چونچیں مارنے لگتے جیسے پوچھ رہے ہوں "کہاں ہے ہمارا کھانا؟" گھر میں سارا دن وہ اِدھر اُدھر چلتے رہتے۔ امّی جان کو ڈر لگا رہتا کہ کہیں وہ کسی کے پاؤں تلے آکر کچلے نہ جائیں۔ لیکن وہ تھے بھی بڑے چالاک جیسے ہی کوئی قریب آتا تو زور زور سے چلّانے لگتے "چوں چوں چوں" جیسے کہہ رہے ہوں "ذرا دیکھ کر۔ کہیں ہمیں پاؤں میں دبا نہ دینا" پورا گھر ان کی معصوم چوں چوں سے گونجتا رہتا۔ میرے کان ان کی آواز سے مانوس ہو چلے تھے جب میں اسکول جاتی اور گھنٹی بجتی تو مجھے یوں لگتا جیسے گھنٹی نہیں بج رہی بلکہ آواز آ رہی ہو "چوں چوں چوں چوں!!"

وہ مجھے کلاس میں بھی یاد آتے۔ کلاس میں کوئی لڑکی مجھ سے وقت معلوم کرتی تو میں بے خیالی میں کہتی "چوں چوں چوں" میرے منہ سے یہ جملہ سن کر وہ ہنس پڑتی اور میں ایک دم سے شرمندہ ہو جاتی۔ کیا کرتی "چوں چوں" ہر وقت میرے ذہن پر سوار رہتے۔ اسکول سے آنے کے بعد میں سب سے پہلے اپنے "چوں چوں" کی خبر لیتی، اپنے ہاتوں سے انہیں باجرہ کھلاتی اور پانی پلاتی پھر خود کھانا کھاتی۔ ابّو ہنس کر کہتے "سمیرا تو اپنے چوزوں کی دیوانی ہے۔" بھیّا شرارت سے مُسکراتے اور میری پونی ٹیل کھینچتے ہوئے کہتے "بی مرغی! آپ کے چوں چوں تو خیریت سے ہیں کافی دیر سے ان کی آواز نہیں سُنی!"

"دیکھئے ناں ابّو بھیّا کو۔ مجھے مرغی کہہ رہے ہیں۔" میں منہ بنا کر ابّو سے شکایت لگاتی اور ابّو زور سے ہنس پڑتے اور پھر کہتے "تم تو ہو ہی چوزوں کی اماں"۔ ابّو کی یہ بات سن کر سب زور سے قہقہہ لگاتے اور میں ابّو سے جھوٹ موٹ ناراض ہو جاتی۔

ایک دن جب میں اسکول سے آئی تو گھر میں موت کی سی خاموشی تھی۔ "کُٹ کُٹ کُٹ!!"

میں نے آواز لگائی لیکن چوں چوں میری آواز پر دوڑے نہیں آئے۔ میں نے گھبرا کر پورے گھر میں انہیں تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہیں تھے۔

"چوں چوں کہاں ہو تم..... کُٹ کُٹ کُٹ..... !!"

میں چلّائی تو امّی جان سامنے آ گئیں۔ امّی! میرے چوں چوں آواز سُن کر کیوں نہیں آ رہے؟" میں نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔ "وہ اب کبھی نہیں آئیں گے....." امّی جان کی آواز مجھے کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "انہیں بلّی کھا گئی ہے۔" امّی جان کا لہجہ بہت افسردہ تھا۔ یہ سُن کر میرے جسم میں جیسے جان ہی نہ رہی۔ بستہ ہاتھ میں لئے وہیں چوزوں کے خالی ڈربے کے پاس بیٹھ کر میں پھُوٹ پھُوٹ کر رو پڑی۔

اچھے کام

ثمرین شمشیر

بچّو! محنت سے نہ ڈرنا
علم کی مشعل روشن کرنا

محنت صبح و شام کرو تم
نیکی کا ہر کام کرو تم

حق کی خاطر جینا مرنا
صرف خدا کی ذات سے ڈرنا

ہوگی ساری دور بُرائی
کرنا سب کے ساتھ بھلائی

پاؤ گے تم ان سے شہرت
اچھے کاموں میں ہے عظمت

خوشنودی ہے اس میں رب کی
کرتے رہنا خدمت سب کی

پاؤ گے تم دل کی راحت
خدمت کی تم ڈالو عادت

سائنس کارنر

کیا کیوں کیسے

ٹیلی میڈیسن

اعجاز حسین پٹھان، عمرکوٹ

کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ مریض ڈاکٹر سے ہزاروں میل دور بیٹھا ہو اور اتنا فاصلہ ہونے کے باوجود ڈاکٹر نہ صرف اسے دیکھ لے بلکہ اس کے لئے دوائی بھی تجویز کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ آج سے کچھ سال پہلے یہ سوچنا ناممکن ہو مگر اب ایسا نہیں۔ ٹیلی میڈیسن نے اب یہ بات ممکن بنا دی ہے کہ ایسے علاقوں کے لوگ جو مہنگے ڈاکٹرز تک جائیں یا اپنے علاقے میں بُلانے کی طاقت نہ رکھ سکتے ہوں۔ اب اس طریقے سے علاج کرا سکتے ہیں۔ دو سال پہلے ٹیکساس (جورجیا) اور مغربی ورجینیا میں ویڈیو ٹیلی میڈیسن پروجیکٹ متعارف کرایا گیا اب امریکا کے ڈاکٹرز سیارے کے ذریعے امینیا، فلپائن اور برازیل تک مریض دیکھ سکتے ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں نیو یارک میں ویڈیو فون متعارف ہونے والے دن ڈاکٹر اس چیز کا انتظار کر رہے تھے تو اس منصوبے پر زیادہ ریسرچ نے کامیابی کے دروازے کھول دیئے۔ اس طریقے سے علاج کرنے سے بہت سے مسئلے بروقت حل ہو سکتے ہیں۔ گذشتہ دنوں شمالی سن فلاور کاؤنٹی ہسپتال میں ایک پانچ سالہ لڑکی کو داخل کیا گیا جو کار کے حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ اس کو کوئی زخم کوئی خراش بھی نہیں آئی تھی مگر ٹیسٹ بتا رہے تھے کہ خون بہا ہے جب کہ یہ واقعہ ایک سال قبل ہوتا تو ڈاکٹر زیادہ سے زیادہ اس کو اپنی نظر داری میں رکھتے مگر یہ ہسپتال ایک ٹیلی ریڈیو لوجی ایمو اسٹیشن کی خدمات حاصل کر چکا تھا اس لئے ڈاکٹر نے لڑکی کو سی۔ ای۔ ٹی ایکس بھیج دیا۔ اس کو ڈاکٹر ڈیوڈ مورسبرگ نے دیکھا اور اندازہ لگایا کچھ گڑبڑ ہے اس نے فوری بنیاد پر سرجری کا مشورہ دیا۔ اس وجہ سے جس عضو سے خون بہہ رہا تھا وہ نکال دیا اور لڑکی کی زندگی بچ گئی۔ اگرچہ اس وقت اس علاج کا طریقہ مہنگا ہے مگر اس پر مزید ریسرچ ہو رہی ہے خوشی کی بات یہ ہے کہ ایک ایسا دروازہ کھلا ہے جس سے پوری دنیا بن سکتی ہے۔

اور کشتی ڈوب گئی

انجم سعید

یہ علاقہ اب ویران تھا۔ دوسرے علاقے کی طرح یہاں کے لوگ بھی یا تو ہلاک ہو چکے تھے یا پھر کسی اور جگہ چلے گئے تھے۔ کہاں چلے گئے تھے؟ یہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ اس علاقے سے ذرا فاصلے پر ایک جھیل رواں تھی۔ پہلے اس جھیل میں نیلا پانی ہوتا تھا لیکن اب جھیل کا پانی سرخ ہو چکا تھا۔ جھیل کے آس پاس کا علاقہ بمباری کی وجہ سے تباہ ہو گیا تھا، جگہ جگہ گڑھے پڑ گئے تھے اور سرسبز جگہ ویران ہو چکی تھی اور دور دور تک آبادی کا نام و نشان نظر نہ آتا تھا۔ بوسنیا کے تمام علاقے اب اسی طرح ویران ہوتے جا رہے ہیں۔ حارث ایک کیمپ میں تھا جہاں اور بھی بہت سے لوگ پناہ لئے ہوئے تھے۔ حارث کی عمر دس سال تھی۔ وہ روز خونی جھیل کے کنارے بیٹھ کر خاموشی سے علاقے کا جائزہ لیتا پھر مایوسی کے عالم میں زور زور سے سرخ جھیل میں پتھر پھینکتا رہتا یا پھر پرانی باتیں یاد کر کے رونے لگتا اور پھر خود ہی چپ ہو جاتا کیوں کہ کیمپ میں بچے ہی نہیں بڑے بڑے لوگ بھی رو پڑتے تھے اور پھر خود ہی چُپ ہو جاتے تھے کیوں کہ ان کے آنسو پونچھنے والے لوگوں کو سربیائی فوجوں نے مار دیا تھا۔ حارث کے کھلونے ٹوٹ گئے تھے اور بم کا گولہ لگنے سے ان کا گھر بھی ٹوٹ گیا تھا۔ حارث کو اپنے امی ابو اور بہن بھائیوں کا بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کدھر گئے؟ کچھ لوگ کہتے تھے کہ انہیں سربیائی فوجی پکڑ کر لے گئے ہیں۔ ننھا حارث سوچتا کہ اس کے امی ابو اور بہن بھائی نہ جانے کس حال میں ہوں

گے زندہ بھی ہوں گے یا..... "نہیں نہیں" - وہ زور زور سے رونے لگتا پھر خود ہی چپ ہو جاتا۔

کبھی وہ جھیل کے کنارے جا کر بیٹھ جاتا جس کا پانی سرخ ہو چکا تھا۔ پہلے اس جھیل میں کشتیاں تیرتی تھیں لیکن اب اس میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں بوسنیا کے مسلمانوں کی لاشیں۔ "یہ سربیائی اتنے ظالم کیوں ہیں؟ آخر یہ ہم مسلمانوں کو کیوں مار رہے ہیں؟ کیوں ہمیں ہمارے وطن سے نکال رہے ہیں؟؟" بہت سارے سوالات ننھے حارث کے ذہن میں گردش کرنے لگتے۔

"میں ان سربیائی فوجوں سے ظلم کا بدلہ لوں گا"۔ غصے سے ننھا حارث اپنی مٹھیاں بھینچ لیتا "لیکن میں تو ابھی بہت چھوٹا ہوں۔ کیا میں اپنے بڑے ہونے کا انتظار کروں؟ نہیں نہیں..... میں اپنے بڑے ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ میں لڑوں گا..... میں ظالموں سے لڑوں گا۔"

ننھے حارث نے کاغذ کی کشتی بنائی اور سرخ جھیل میں اس کی کشتی لرزتی کانپتی تیرنے لگی۔ حارث جھیل کے کنارے بیٹھ کر سوچنے لگا "دادا جان کہا کرتے تھے جو اسلام کی خاطر لڑتا ہے وہ شہید ہوتا ہے اور شہید کو جنت ملے گی۔ اور جنت بہت خوب صورت ہے۔ وہاں خوب صورت جھیلیں ہیں، دودھ کی شہد کی نہریں ہیں میں شہید ہو جاؤں گا تو مجھے وہاں دودھ پینے کو ملے گا، شہد ملے گا۔ یہاں تو مجھے کچھ بھی کھانے کو نہیں ملتا۔ بھوک سے میری بُری حالت ہو رہی ہے۔"

"تڑڑڑ ..... تڑڑڑ ..... تڑڑڑ" فضا سربیائی فوجوں کی وحشیانہ فائرنگ اور کیمپ میں مہاجرین کی چیخوں سے لرز اٹھی۔ سربیائی فوجیں کیمپ میں گھس آئی تھیں اور جو مسلمان ان کے سامنے آ رہا تھا وہ اسے گولیوں سے بھون رہے تھے۔ ایک گولی کراس کرتی ہوئی آئی اور جھیل کے کنارے بیٹھے ہوئے حارث کے دماغ میں گھس گئی۔ ننھا بچہ چیخ بھی نہ سکا اور جھیل کے کنارے ہی دم توڑ بیٹھا۔

کچھ سربیائی فوجی جھیل کے سرخ پانی میں زندہ بچ جانے والے مسلمانوں کو اُٹھا اُٹھا کر پھینکنے لگے۔ پانی میں تلاطم پیدا ہوا اور ننھے حارث کی بنائی ہوئی کشتی پانی کی اونچی نیچی موجوں کے درمیان لرزی کانپی اور پھر سرخ پانی میں ڈوب گئی۔ کوئی بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کی مدد نہیں کر رہا تھا، ان کے لئے دودھ، روٹی پانی کا انتظام نہ تھا۔ اس لئے اللہ میاں نے انہیں جنت میں بلا کر دنیا سے زیادہ بہترین چیزوں کا انتظام کر دیا تھا۔

تحفہ

ایک بچہ دوسرے بچے سے:

"اگر ہاتھی درخت پر چڑھ جائے تو اُترے گا کیسے؟"

دوسرا بچہ معصومیت سے سوچتے ہوئے .....

"میرا خیال ہے وہ پتے پر بیٹھ کر خزاں کا انتظار کرے گا۔"

آخری بات

سید محمد اطہر شاہ، کراچی

ساتھیو!

ایک اور برس ختم ہونے والا ہے اور ایک نیا برس شروع ہونے کو ہے۔ اس نئے برس کا آغاز نیک، بابرکت اور اچھے کاموں سے کرنا ہے۔ عہد کریں کہ اپنے پیارے وطن سے رشوت، چور بازاری، ملاوٹ اور ڈاکہ زنی کا خاتمہ کریں گے۔ عہد کریں کہ اپنے پیارے وطن کو غداروں اور سازشیوں سے پاک کریں گے۔ عہد کریں کہ اسے ایک مثالی ملک بنائیں گے اور اسے حقیقی معنوں میں اسلام کا قلعہ بنانے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں اپنا تن، من، دھن سب نچھاور کر دیں گے۔ عہد کریں کہ جھوٹ بولنے اور امانت میں خیانت کرنے سے گریز کریں گے تاکہ اپنی آخرت بھی سنوار سکیں۔ عہد کریں کہ اپنی قومی زبان اور قومی لباس پر فخر کریں گے اور جو ہم ملک و قوم سے وفا اور دین و مذہب سے محبت کے نعرے لگاتے ہیں، ان پر سچ مچ عمل کریں گے اور اپنے کردار، گفتار کو مثالی بنائیں گے۔ عہد کریں کہ اپنے آپ میں خود اعتمادی پیدا کریں گے تاکہ جو احساسِ کمتری ہم میں دوسری قوموں کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ وہ ختم ہو جائے۔

پیارے ساتھیو! آج ہم خدا کے حضور سربسجود ہو کر دعا کریں کہ وہ ہمیں اپنے عہد پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

آنکھ مچولی کا سالانہ خریداری کا کوپن

نام _____

مہینہ جس سے رسالہ شروع کروانا چاہتے ہیں _____

رقم _____ بذریعہ _____

پتہ _____

_____

فون نمبر _____

لذّت، صحت اور بچت!

کوئس® جام

کی ہر بوتل کے ساتھ
خوبصورت گلاس بالکل

مفت

کوئس بہترین

REGD. No. M-266 DECEMBER 1993
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

AHMED
Jelly Crystals
free from gelatine

Real Good

Nature Produces taste
Ahmed Preserves it.

Fantastic
Fruity
Flavours